CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

منتخب نظمیں

اتر پردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلسلۂ مطبوعات : ۲۰۴

منتخب نظمیں

اترپردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

© اتر پردیش اردو اکادمی

منتخب نظمیں

مجلس مشاورت

پروفیسر محمود الٰہی، پروفیسر شبیہ الحسن
پروفیسر گیان چند نیرّ، پروفیسر سید محمد عقیل رضوی
پروفیسر قاضی عبدالستّار

تیسرا ایڈیشن : ــــــــــ ۲۰۰۲ء
تعداد : ــــــــــ ایک ہزار
قیمت : ــــــــــ دس روپے پچاس پیسے ۱۰/۵۰

ایس۔ سی۔ ورما، سکریٹری، اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس نادرن آفسیٹ پریس، ٹکیت رائے تالاب، موہان روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر اکادمی کے دفتر وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ سے شائع کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیش لفظ

اردو کی ترقی و ترویج میں بشمول دیگر منصوبوں کے یہ بات بھی خصوصیت کی حامل رہی ہے کہ معیاری کتابوں کی اشاعت و طباعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے۔

اتر پردیش اردو اکادمی نے اس فرض کو بخوبی ادا کیا ہے اور اس میدان میں آج بھی وہ اپنے محدود وسائل کے باوجود کبھی غافل نہیں رہی ہے۔ اکادمی نے جہاں ادب کے دیگر موضوعات کے تحت نادر و نایاب مطبوعات کی اشاعت سے قاری کا دل جیتا ہے وہیں مختلف یونی ورسٹیوں کے نصاب میں شامل تدریسی کتب کو چھپوا کر طلبا کی ضرورتوں کو بھی کافی حد تک پورا کیا ہے۔ یعنی اکادمی نے نصابی کتب کو لاگت سے کم قیمت پر فروخت کر کے ایسی راہ استوار کر دی ہے کہ طلبا انھیں خریدتے وقت بار محسوس نہ کریں۔ قلیل مدت میں ایسی کتابوں کے متعدد ایڈیشن فروخت ہو جانا اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔

زیر نظر کتاب کا یہ ایڈیشن اس امید کے ساتھ پیش ہے کہ طلبا و دیگر قارئین حسب سابق اسے بھی ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

محمد شاہد اللہ خاں
چیرمین
مجلس انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی
مارچ ۲۰۰۲ء

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فہرست

نظیر شہر آشوب ۷ ، توحید ۱۲ ، بنجارا نامہ ۱۶ ، مفلسی ۱۸ ۔

حالی برکھا رت ۲۰ ، شعر کی طرف خطاب ۲۷ ، مرثیۂ دلی ۲۸ ، قرض لے کر حج کو جانے کی ضرورت ۲۹ ، پولیٹکل اِسپیچیں ۳۰ ، دِلّی کی شاعری کا تنزّل ۳۰ ۔

اکبر فرضی لطیفہ ۳۲ ، پیرو مرشد نے کیا ۳۲ ، اک مس سیمیں بدن سے ۳۳ مدرسۂ علی گڑھ ۳۵ ، مستقبل ۳۶ ، خدا جانے کہا کس نے ۳۸ ، یہ موجودہ طریقے ۴۰ ، وہ ہوا نہ رہی ۴۱ ، عشرتی! گھر کی محبّت کا مزا ۴۲ بٹھائی جائیں گی ۴۲ ، چاہا جو میں نے ان سے ۴۳ ، سیّد سے آج ۴۴ ، تعجب سے کہنے لگے ۴۵ ، امور ملکی کی بحث ۴۵ ، تخت کے قابض وہی ۴۶ اس بزم میں کیا ۴۶ ، دنیا کا ذرا یہ رنگ ۴۷ ، بہت ہی عمدہ ہے ۴۷ ، انگلش ڈرس انور کا ۴۸ ، دیکھ آئے ہم بھی دو دن ۴۹ ، کیا جانیے سیّد ۴۹ کوئی کہتا ہے ۵۰ ، ڈیلی گیٹوں نے جو ۵۰ ۔

سرور بے ثباتِ دنیا ۵۱ ، یادِ طفلی ۵۳ ، گنگا ۵۵ ، مادرِ وطن ۵۷ ، دلِ بے قرار سوجا ۵۸ ، فضائے برشگال ۵۹ ، بیر بہوٹی ۶۰ ، پدمنی ۶۱ ، عروس حبِّ وطن ۶۳ ۔

چکبست راماین کا ایک سین ۶۴ ، آوازۂ قوم ۷۰ ، مرثیہ گوپال کرشن گوکھلے ۷۳ ، مرثیہ بال گنگادھر تلک ۷۵ ، آصف الدولہ کا امام باڑہ ۷۷ ، قوم کے سورماؤں کو الوداع ۷۸ ، کشمیر ۸۰ ۔

اقبال نیا شوالہ ۸۳ ، شعاعِ اُمید ۸۴ ، حضور رِسالت مآب میں ۸۵ ، لینن خدا کے حضور میں ۸۵ ، ساقی نامہ ۸۸ ، خضر راہ ۹۳ ،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مسجد قرطبہ ۹۸ ، فنونِ لطیفہ ۱۰۱ ، جبریل و ابلیس ۱۰۲ ، ذوق و
شوق ۱۰۳ ، ابلیس کی مجلسِ شوریٰ ۱۰۵ ، جمہوریت ۱۰۸ ، زہد و
رندی ۱۰۹ ، نانک ۱۱۰ ، مرزا غالب ۱۱۱ ۔

جوش
شکستِ زنداں کا خواب ۱۱۲ ، بدلی کا چاند ۱۱۳ ، البیلی صبح ۱۱۴ ،
وفادارانِ ازلی کا پیام ۱۱۵ ، مولوی ۱۱۶ ، کسان ۱۱۷ ، نقّاد ۱۲۰
مہاجن اور مُفلس ۱۲۲ ، فاختہ کی آواز ۱۲۳ ، ذاکر سے خطاب ۱۲۴
پروگرام ۱۲۸ ۔

اختر شیرانی
ایک نوجوان بُت تراش کی آرزو ۱۲۹ ، اے عشق! کہیں لے چل ۱۳۰
او دیس سے آنے والے بتا ۱۳۱ ، وادیِ گنگا میں ایک رات ۱۳۳

مجاز
نذر علی گڑھ ۱۳۵ ، آوارہ ۱۳۷ ۔

مخدوم
چاند تاروں کا بن ۱۴۰ ، چارہ گر ۱۴۱

جاں نثار اختر
بار گزری ہے ۱۴۳ ، سراپا ۱۴۴ ، ایک لمحہ ۱۴۴
خاکِ دل ۱۴۵ ، خاموش آواز ۱۴۹ ، اتحاد ۱۵۴
شکستِ افسوں ۱۵۷ ، اک زخمِ تمنّا اور سہی ۱۵۸ ۔

فیض
یاد ۱۶۱ ، نثار میں تری گلیوں پہ ۱۶۲ ، تنہائی ۱۶۳ ،
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے ۱۶۴ ، دعا ۱۶۵ ،
صُبحِ آزادی ۱۶۶ ، تمھارے حُسن کے نام ۱۶۷ ،
چند روز اور مری جان! ۱۶۸ ، مجھ سے پہلی سی محبت ۱۶۹
موضوعِ سخن ۱۷۰ ، بول ۱۷۱ ، دو عشق ۱۷۲ ، طوق و دار
کا موسم ۱۷۳ ، زنداں کی ایک شام ۱۷۴ ، شیشوں کا مسیحا
کوئی نہیں ۱۷۵ ، ہم لوگ ۱۷۷ ۔

ساحر
تاج محل ۱۷۸ ، اے شریف انسانو! ۱۷۹ ، جشنِ غالب ۱۸۰

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آؤ کہ کوئی خواب بنیں ۱۸۱ ، خون پھر خون ہے ۱۸۲ ،
فن کار ۱۸۳ ، نورجہاں کے مزار پر ۱۸۴ ۔
اختر الایمان ایک لڑکا ۱۸۵ ، یادیں ۱۸۸ ، سرِ راہ گزارے ۱۹۲ ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نظیر اکبرآبادی۔ ولی محمدؒ ۳۶-۱۷۳۵ء ۱۵ راگست ۱۸۳۰ء

شہر آشوب

اب تو کُچھ سُخن کا مرے کاروبار بند   رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سُخن کی فِکر کا ہے موج دار، بند   ہو کس طرح نہ مُنھ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دِکھائی ہے مُفلسی   کوٹھے کی چھت نہیں ہے، یہ چھائی ہے مُفلسی
دیوار و در کے بیچ یہ چھائی ہے مُفلسی   ہر گھر میں اِس طرح سے بھر آئی ہے مُفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

کڑیاں جو سال کی تھیں، بکیں وہ تو اگلے سال   ناچار قرض و دام سے چھپّر لیے ہیں ڈال
پھوس اور ٹھیڑے اُس کے ہیں جوں سر کے بکھرے بال   اُس بکھرے پھوس سے ہے یہ اُن چھپّروں کا حال
گویا کہ اُن کے بھول گئے ہیں چمار، بند

دُنیا میں اب قدیم سے ہے زر کا بند و بست   اور بے زری میں گھر کا، نہ باہر کا بند و بست
آقا کا انتظام، نہ نوکر کا بند و بست   مُفلس جو مُفلسی میں کرے گھر کا بند و بست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نا اُستوار بند

کپڑے نہ گٹھڑی بیچ، نہ تھیلی میں زر رہا   خطرہ نہ چور کا، نہ اُچکّے کا ڈر رہا
رہنے کو بِن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا   کھنکھار جاگنے کا نہ مُطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب آگرے میں جتنے ہیں، سب لوگ ہیں تباہ آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو! ایسے بُرے وقت سے پناہ وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں، آہ!
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

صرّاف، بنیے، جوہری، اور سیٹھ، ساہوکار دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب ادھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار بیٹھے ہیں یوں دکانوں پہ اپنی دکان دار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں، قیدی، قطار بند

سوداگروں کو سود، نہ بیوپاری کو فلاح بزاز کو ہے نفع، نہ پنساری کو فلاح
دلّال کو ہے یافت، نہ بازاری کو فلاح دکھیا کو فائدہ، نہ پنہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار اور جتنے پیشہ ور ہیں، سو روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہے سر سُنار کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کے ہیں کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے، وہ سب دبک گئے اور ریشمی قوام بھی یک سر چٹک گئے
زردار اُٹھ گئے، تو بٹیّے سرک گئے چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا بال کھینچے، جو ہو جاوے تار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چنتے ہیں جلتے ہیں نانبائی، تو بھڑبھونجے بھنتے ہیں
دھنیے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دھنتے ہیں روتے ہیں وہ جو مشروع دارائی بنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے، جو بنیں تھے ازار بند

گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھیے مطلق اُسے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤ سے
ردّی قلم دکاں میں، نہ ٹکڑے ہیں ٹاٹ کے یاں تک کہ اپنی چٹھی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک سے ادھار بند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لوٹیں ہیں گرد و پیش جو قزّاق ، راہ مار
بیوپاری آتے جاتے نہیں ڈر سے زینہار
کُتوال روئیں ، خاک اُڑاتے ہیں چوکی دار
ملّاحوں کا بھی کام نہیں چلتا ، میرے یار!
ناویں ہیں گھاٹ گھاٹ کی سب وار پار بند

ہر دم کماں گروں کے اُپر پیچ و تاب ہیں
صحّاف اپنے حال میں غم کی کتاب ہیں
مرتے ہیں مینا کار ، مُصوّر کباب ہیں
نقّاش اِن سبھوں سے زیادہ خراب ہیں
رنگ و قلم کے ہو گئے نقش و نگار بند

بے چین تھے جو گوندھ کے پھولوں کے بدھی ہار
مُرجھا رہی ہے دِل کی کلی ، جی ہے داغدار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنسِ آبدار
لاچار ، پھر وہ ٹوکری اپنی زمیں پہ مار
جاتے ہیں کر دُکان کو آخر وہ ہار ، بند

حجّام پر بھی یاں تئیں ہے مُفلسی کا زور
پیسا کہاں ؛ جو سان پہ ہو اُستروں کا شور
کانپے ہے ، سر بِھگوتے ہُوئے اُس کی پور پور
کیا بات ! ایک بال کٹے ، یا تراشے کور
یاں تک ہے اُسترے و نہرنی کی دھار بند

ڈمرو بجا کے وہ جو اُتارے ہیں زہر مار
آپ ہی وہ کھیلتے ہیں ، ہِلا سر زمیں پہ مار
منتر تو جب چلے ، کہ جو ہو پیٹ کا اُدھار
جب مُفلسی کا سانپ ہو اُن کے گلے کا ہار
کیا خاک پھر وہ باندھیں کہیں جا کے مار ، بند

لذّت ہے جن کو حُسن کے نقش و نگار سے
محبوب ہیں جو غُنچہ دہن ، گُل عذار سے
آویں اگر وہ لاکھ طرح کی بہار سے
کوئی نہ دیکھے اُن کو نظر بھر کے پیار سے
ایسے دِلوں کے ہو گئے آپس میں کار ، بند

پھرتے ہیں نوکری کو ، جو بن کر رِسالہ دار
گھوڑوں کے ہیں لگام ، نہ اونٹوں کے ہیں مہار
کپڑا ، نہ لتّا ، پال ، نہ پرتل ، نہ بوجھ ، بھار
یوں ہر مکاں میں آ کے اُترتے ہیں سوگوار
جنگل میں جیسے دیتے ہیں لا کر اُتار ، بند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوئی پکارتا ہے پڑا ، بھیج یا خدا ! اب تو ہمارا کام تھکا ، بھیج یا خدا !
کوئی کہے ہے ہاتھ اٹھا ، بھیج یا خدا ! لے جان اب ہماری تو ، یا بھیج یا خدا !
کیوں روزی یوں ہی کی مرے پروردگار ! بند

محنت سے ہاتھ پانو کی ، کوڑی نہ ہاتھ آئے بے کار کب تلک کوئی قرض و ادھار کھائے ؟
دیکھو جسے ، وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ! ہائے ! آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے !
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کاروبار بند

آمد نہ خادموں کے تئیں ، مقبروں کے بیچ باہمن بھی سر پٹکتے ہیں سب ، مندروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب ، مدرسوں کے بیچ حیراں ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار ، بند

اس شہر کے فقیر ، بھکاری جو ہیں تباہ جس گھر پہ جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ
بھوکے ہیں ، کچھ بھجائیو بابا ! خدا کی راہ واں سے صدا یہ آتی ہے ، پھر مانگو جب تو آہ !
کرتے ہیں ہونٹ اپنے وہ ہو شرمسار بند

کیا چھوٹے کام والے ، وہ کیا پیشہ ور نجیب روزی کے ، آج ، ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب اٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کے ، یا نصیب !
سوتے ہیں کر کواڑ کو اک آہ مار ، بند

کیوں کر بھلا نہ مانگیے اس وقت سے پناہ محتاج ہو جو در بہ در پھرنے لگی سپاہ
یاں تک امیر زادے ، سپاہی ہوئے تباہ جن کی جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ !
وہ دوڑتے ہیں اور کے پکڑے شکار بند

ہے جن سپاہیوں کنے بندوق اور سناں کندے کا ان کے نام ، نہ چلّوں کا ہے نشاں
چاندی کے بند تار ، تو پیتل کے ہیں کہاں ؟ ناچار ، اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسّی کے ان میں باندھے ہیں پیادے ، سوار ، بند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو گھوڑا اپنا بیچ کے، زیں کو گرو رکھیں — یا تیغ اور سپر کو لیے چوک میں پھریں
پٹکا جو بکتا آوے، تو کیا خاک دے کے لیں — جب پیش قبض بک کے پڑی روٹی پیٹ میں
پھر اُس کا کون مول لے؟ وہ پچھّے دار بند

جتنے سپاہی یاں تھے، نہ جانے کدھر گئے؟ — دکھّن کے تئیں نکل گئے، یا پیش تر گئے
ہتھیار بیچ، ہو کے گدا، گھر بہ گھر گئے — جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں دربدر گئے
پھر کون پوچھے اُن کو؟ جواب ہیں کٹار بند

ایسا سپاہی مرد کا دشمن زمانہ ہے — روٹی سوار کو ہے، نہ پیادے کو دانہ ہے
تنخواہ، نے طلب ہے، نہ پینا نہ کھانا ہے — پیادے دِوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات — سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئیے، اور کس کی کہیے بات — روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آ کے ہوئی ایک بار بند

ہے کون سادہ دل، جسے فرسودگی نہیں — وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں — اب آگرے میں نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کی آ کے ایسی ہوئی رہ گزار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے، سو ایسے پڑے ہیں خوار — کانٹے کا نام اُن میں نہیں، پھول در کنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار — کیاری میں خاک دھول، روِش پر اُڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن، تو پڑا ہے اُجاڑ سا — غنچہ، نہ پھل، نہ پھول، نہ سبزہ ہرا بھرا
آواز قمریوں کی، نہ بلبل کی ہے صدا — نے حوض میں ہے آب، نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک، تو ہے آبشار بند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیوں یارو! اِس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا　جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بہ جا
جو ہے سو اِس ہوا میں دِوانہ سا ہو رہا　سوداہُوا مزاجِ زمانہ کو یا خُدا!
تو ہے حکیم، کھول دے! اب اِس کے چار بند

ہے میری حق سے اب یہ دُعا شام اور سحر　کر آگرے کی خلق پہ اب مہر کی نظر
سب کھاویں پیویں، شاد رہیں اپنے اپنے گھر　اِس ٹوٹے شہر پر بھی اِلہٰی! تو فضل کر!
کُھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند

عاشِق کہو، اسیر کہو، آگرے کا ہے　مُلّا کہو، دبیر کہو، آگرے کا ہے
مُفلِس کہو، فقیر کہو، آگرے کا ہے　شاعِر کہو، نظیرؔ کہو، آگرے کا ہے
اِس واسطے یہ اُس نے لکھے پانچ چار بند

توحید

تنہا نہ اُسے اپنے دِلِ تنگ میں پہچان　ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان
بے رنگ میں، یا رنگ میں، نیرنگ میں پہچان　منزل میں، مقامات میں، فرسنگ میں پہچان
نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان　ہر راہ میں، ہر ساتھ میں، ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم اِرادے میں، ہر آہنگ میں پہچان　ہر دھوم میں، ہر صُلح میں، ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دِلبر کو ہر اِک رنگ میں پہچان

پھل پات، کہیں شاخ، کہیں پھول، کہیں بیل　نرگس کہیں، سوسن کہیں، بیلا کہیں، رابیل
آزاد کوئی سب سے، کسی کا ہے کہیں میل　ملتا ہے کوئی راکھ، چنبیلی کا کوئی تیل
کرتا ہے کوئی، ظُلم کوئی لیتا ہے جھیل　باندھے کہیں تلوار، اُٹھاتا ہے کوئی سیل
ادنیٰ کوئی، اعلا کوئی، سو کھا کوئی، دنڑ پیل　جب غور سے دیکھا، تو اُسی کے ہیں یہ سب کھیل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہے کوئی شوق میں، کرتا ہے کوئی حال — چھانے ہے کوئی خاک، اڑاتا ہے کوئی مال
ہنستا ہے کوئی شاد، کسی کا ہے برا حال — روتا ہے کوئی، ہو کے غم و درد میں پامال
ناچے ہے کوئی شوخ، بجاتا ہے کوئی گال — پہنے ہے کوئی چیتھڑے، اوڑھے ہے کوئی شال
کرتا ہے کوئی ناز، دکھاتا ہے کوئی حال — جب غور سے دیکھا، تو اسی کی ہے یہ سب چال

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار — کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار
پہنچا ہے کوئی پار، بھٹکتا ہے کوئی وار — بیٹھا ہے کوئی عیش میں، پھرتا ہے کوئی زار
عاجز کوئی، بے کس کوئی، ظالم کوئی لٹھ مار — مفلس کوئی نادار، تونگر کوئی زردار
زخمی کوئی، ماندہ کوئی، اچھا کوئی بدکار — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں سب اسرار

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی دلی دوست، کوئی جان کا دشمن — بیٹھا ہے پہاڑوں میں، کوئی پھرتا ہے بن بن
مالا کوئی جپتا ہے، کوئی شوق میں سمرن — چھوڑے ہے کوئی مال، سمیٹے ہے کوئی دھن
نکلے ہے جواہر کے کوئی پہن کے ابرن — لوٹے ہے کوئی خاک میں رو رو کے ملا تن
جوگی کوئی، بھوگی کوئی، اگی کوئی سوگن — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب فن

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی کہیں، گرمی کہیں، جاڑا کہیں برسات — دوزخ کہیں، بیکنٹھ کہیں ارض و سماوات
حوریں کہیں، غلماں، کہیں پریاں کہیں جنّات — اُجڑ کہیں بستی، کہیں جنگل، کہیں دیوات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سختی کہیں راحت، کہیں گردش کہیں سکنات — شادی کہیں، ماتم کہیں، نور اور کہیں ظلمات
تارے کہیں سورج، کہیں برج اور کہیں دن رات — جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دِلبر کو ہر اِک رنگ میں پہچان

بیچے ہے جواہر کوئی زر، سیم و طِلا رانگ — مارے کوئی پارے کو، بنا دے کوئی مرگانگ
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے، لیتا ہے کوئی مانگ — محتاج کوئی قوت کا، رکھتا ہے کوئی دانگ
ٹھہرا ہے کوئی چور، لگاتا ہے کوئی تھانگ — ملتا ہے کوئی پوست کو، چھانے ہے کوئی بھانگ
گھنٹہ ہے کہیں جھانجھ، کہیں سنکھ، کہیں مانگ — جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب سوانگ

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دِلبر کو ہر اِک رنگ میں پہچان

ناری کوئی بادی، کوئی خاکی، کوئی آبی — صوفی کوئی زاہد، کوئی بدمست شرابی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی — پیتا ہے کوئی کیف، کوئی مے کی گلابی
مارے ہے زٹل کوئی، کہیں جیب ہے دابی — سچا، کوئی جھوٹا ہے، کوئی رِندِ خرابی
کالا کوئی گورا، کوئی پیلا، کوئی آبی — ہیں اُس کی ہی قدرت کے یہ سب لال گلابی

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دِلبر کو ہر اِک رنگ میں پہچان

کیا حُسن کہیں پایا ہے! اللہ ہی اللہ! — کیا عِشق کہیں چھایا ہے! اللہ ہی اللہ!
کیا رنگ یہ رنگوایا ہے! اللہ ہی اللہ! — کیا نور یہ جھمکایا ہے! اللہ ہی اللہ!
کیا دھوپ ہے، کیا سایا ہے! اللہ ہی اللہ! — کیا جہر ہے، کیا مایا ہے! اللہ ہی اللہ!
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہے! اللہ ہی اللہ! — کیا بھید نظر آیا ہے! اللہ ہی اللہ!

ہر آن میں، ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے، تو دِلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بنجارا نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں ! مت دیس بدیس پھرے مارا
قزّاق اجل کا لوٹے ہے ، دِن رات بجا کر نقّارا
کیا بدھیا بھینسا ، بیل ، شُتر ، کیا گوئیں پلّا ، سربھارا
کیا گیہوں ، چاول ، موٹھ ، مٹر ، کیا آگ ، دُھواں اور انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھّی بنجارا ، اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل ! تجھ سے بھی چڑھتا اِک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکّر ، مِصری ، قند ، گری ، کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ مُنقّیٰ ، سونٹھ ، مرچ ، کیا کیسر ، لونگ ، سُپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا ، جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری رہ جاوے گی
اِک بدھیا تیری مٹّی پر پھر گھانس نہ چرنے پاوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حِصّوں میں بٹ جاوے گی
دی ، پوت ، جنوائی ، بیٹا کیا ، بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا ، جب لاد چلے گا بنجارا

کُچھ کام نہ آوے گا تیرے ، یہ لعل و زمرّد ، سیم و زر
جب پونجی بانٹ میں بکھرے گی ، ہر آن بنے گی جان اوپر
نوبت ، نقّارے ، بان ، نِشان ، دولت ، حشمت ، فوجیں ، لشکر
کیا مسند ، تکیہ ، مُلک ، مکاں ، کیا چوکی ، کرسی ، تخت ، چھپر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا ، جب لاد چلے گا بنجارا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیوں جی پر بوجھ اُٹھاتا ہے اِن گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا، پھر دُونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاو، زر، زیور، کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سُنہری کے، کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیا سخت مکاں بنواتا ہے، کھم تیرے تن کا ہے پولا
تو اونچے کوٹ اُٹھاتا ہے، واں گور گڑھے نے منھ کھولا
کیا رینی خندق، رند بڑے، کیا بُرج کنگورا انمولا
گڑھ، کوٹ، رہکلہ، توپ، قلعہ، کیا شیشہ، دارو اور گولا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو، یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی تاج سمیٹے گا تیرا، کوئی گون سیے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
اُس جنگل میں پھر آہ نظیر! اِک تنکا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

آدمی نامہ

دُنیا میں پادشہ ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زردار و بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یاں آدمی ہی نار ہے، اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے، اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حُسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے، جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں!
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خُطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قُرآں اور نماز یاں
اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی پہ تیغ کو مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پُکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دُکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو، کوئی کہتا ہے لا رے لا
کِس کِس طرح کی بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اِک آدمی ہیں، جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں
رُوپے کے جن کے پانْو ہیں، سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب، تاش، شال، دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
یہ آدمی ہی کرتے ہیں سب کارِ دل پذیر
یاں آدمی مُرید ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر!
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مُفلِسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مُفلِسی — کِس کِس طرح سے اُس کو ستاتی ہے مُفلِسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مُفلِسی — بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مُفلِسی
یہ دُکھ وہ جانے، جس پہ کہ آتی ہے مُفلِسی

جو اہلِ فضل عالم و فاضِل کہاتے ہیں — مُفلِس ہوئے، تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف، تو اُسے بے بتاتے ہیں — وہ جو غریب غُربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عُمر بھر نہیں جاتی ہے مُفلِسی

مُفلِس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر — دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر — جِس طرح کتّے لڑتے ہیں ایک اُستخوان پر
ویسا ہی مُفلِسوں کو لڑاتی ہے مُفلِسی

بی بی کی نتھ، نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے — کپڑے میاں کے بنیے کے ہاتھوں پڑے رہے
جب کڑیاں بِک گئیں تو کھنڈر میں پڑے رہے — زنجیر، نہ کواڑ، نہ پتھّر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھُداتی ہے مُفلِسی

بیٹے کا بیاہ ہو، تو بنیا ہی نہ ساتی ہے — نے روشنی، نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے — بیٹا بنا ہے دوُلھا، تو باوا براتی ہے
مُفلِس کی یہ برات چڑھاتی ہے مُفلِسی

مفلس کا دردِ دِل میں کوئی ٹھانتا نہیں — مفلِس کی بات کو تو کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں — صوُرت بھی اُس کی پھِر کوئی پہچانتا نہیں
یاں تک نظر سے اُس کو گراتی ہے مُفلِسی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیسا ہی آدمی ہو، پر افلاس کے طُفیل کوئی گدھا کہے اُسے، ٹھہراوے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام، بڑھے بال پھیل پھیل مُنھ خُشک، دانت زرد، بدن پر جمے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مُفلسی

ہر آن دوستوں کی محبّت گھٹاتی ہے جو آشنا ہیں، اُن کی تو اُلفت گھٹاتی ہے
اپنے کی مہر، غیر کی چاہت گھٹاتی ہے شرم و حیا و عزّت و حُرمت گھٹاتی ہے
ہاں، ناخُن اور بال بڑھاتی ہے مُفلسی

جب مُفلسی ہوئی، تو شرافت کہاں رہی؟ وہ قدر ذات کی، وہ نجابت کہاں رہی؟
کپڑے پھٹے، تو لوگوں میں عزّت کہاں رہی؟ تعظیم اور تواضُع کی بابت کہاں رہی؟
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مُفلسی

مفلس کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اُٹھا باپ اُس کا دیکھے ہاتھ کا اور پانو کا کڑا
کہتا ہے کوئی، جوتی نہ لیوے کہیں چُرا نٹ کھٹ، اُچکّا، چور، دغاباز، گٹھ کٹا
سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مُفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یارو! تا فقیر خالق نہ مُفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اِک آن میں حقیر کیا کیا میں مُفلسی کی خرابی کہوں نظیر!
وہ جلنے، جس کے دِل کو جلاتی ہے مُفلسی

❖

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حالیؔ - خواجہ الطاف حسین ۱۸۳۷ء یکم جنوری ۱۹۱۵ء

برکھا رُت

گرمی کی تپش بجھانے والی — سردی کا پیام لانے والی
قدرت کے عجائبات کی کان — عارف کے لیے کتابِ عرفان
وہ شاخ و درخت کی جوانی — وہ مور و ملخ کی زندگانی
وہ سارے برس کی جان، برسات — وہ کون؟ خدا کی شان برسات
آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد — اور سیکڑوں التجاؤں کے بعد
وہ آئی، تو آئی جان میں جان — سب تھے کوئی دن کے، ورنہ مہمان
گرمی سے تڑپ رہے تھے جاں دار — اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا — اور کھول رہا تھا آبِ دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں — اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں
سانڈے تھے بلوں میں منھ چھپائے — اور ہانپ رہے تھے چار پائے
تھیں لومڑیاں زبان نکالے — اور لو سے ہرن ہوئے تھے کالے
چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ — ہرنوں کو نہ تھی رفتار کی سُدھ
تھے شیر پڑے کچھار میں سست — گھڑیال تھے رودبار میں سست
ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا — بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا
کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں — اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں
گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ — تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ
گرمی کا لگا ہوا تھا بھبکا — اور آتش نکل رہا تھا سب کا
طوفان تھے آندھیوں کے برپا — اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے | شُعلے تھے زمین سے نِکلتے
تھی آگ کا دے رہی ہوا کام | تھا آگ کا نام مُفت بدنام
رستوں میں سوار اور پیدل | سب دھوپ کے ہاتھ سے تھے بے کل
گھوڑوں کے نہ آگے اُٹھتے تھے پانو | مِلتی تھی کہیں جو رُوکھ کی چھانو
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک | پانی کی جگہ برستی تھی خاک
پنکھے سے نِکلتی جو ہوا تھی | وہ بادِ سموم سے سوا تھی
بُجھتی نہ تھی آتشِ درُونی | لگتی تھی ہوا سے آگ دُونی
سات آٹھ بجے سے دِن چھپے تک | جہاں داروں پہ دھوپ کی تھی دستک
ٹٹّی میں تھا دِن گنواتا کوئی | تہ خانے میں مُنھ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سُنسان | آتی تھی نظر، نہ شکلِ اِنسان
چلتی تھی دُکان جن کی دِن رات | بیٹھے تھے وہ ہات پر دھرے ہات
خِلقت کا ہجوم اگر کچھ تھا | یا پیاؤ یا سبیل پر تھا
تھا شہر میں قحطِ آدمی زاد | سُلطان[1] کا اِک کنواں تھا آباد
پانی سے تھی سب کی زندگانی | میلا تھا وہیں، جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ نیّتیں لپکتی | فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
پھل پھول کی دیکھ کر تراوٹ | پاتے تھے دِل و جِگر تراوٹ
کنجڑوں کی وہ بولیاں سُہانی | بھر آتا تھا سُن کے مُنھ میں پانی
تھے جو خفقانی اور مراقی | گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
کھانے کا نہ تھا اُنھیں مزا کچھ | آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ

---

[1] لاہور میں جہاں یہ مثنوی لکھی گئی، ایک سلطان کا کنواں مشہور ہے جس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں وہاں آدمیوں کا نہایت ہجوم رہتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بِن کھائے کٹی کئی دِن اکثر
رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر

شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے
مر بیٹھ کے، صبح تھے پکڑتے

اَور صبح سے شام تک برابر
تھا العطش العطش زباں پر

بچّوں کا ہُوا تھا حال بے حال
کُمھلائے ہُوئے تھے پھول سے گال

آنکھوں میں تھا، اُن کا پیاس سے دم
تھے پانی کو دیکھ کرتے مم مم

ہر بار پُکارتے تھے ماں کو
ہونٹوں پہ تھے پھیرتے زباں کو

پانی دِیا گر کِسی نے لاکر
پھر چھوڑتے تھے نہ مُنھ لگا کر

بچے ہی، نہ پیاس سے تھے مُضطر
تھا حال بڑوں کا اُن سے بدتر

تخصِیص تھی کچھ نہ میری تیری
پانی سے کِسی کو نہ تھی سیری

کل شام تلک تو تھے یہی طور
پر رات سے ہی سماں ہے کچھ اور

پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے
پچھوا سے خُدائی پھر رہی ہے

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اِک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں، کہیں ہیں کالے

ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی
اِک آتی ہے فوج، ایک جاتی

جاتے ہیں مُہم پہ کوئی جانے
ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے

توپوں کی ۔ ہے جب کہ باڑھ چلتی
چھاتی ہے زمین کی دہلتی

مینھ کا ہے زمیں پر دڑیڑا
گرمی کا ڈبو دِیا ہے بیڑا

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی
آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں
جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں

کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی
قُدرت ہے نظر خُدا کی آتی

سُورج نے نقاب لی ہے مُنھ پر
اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت　　کھیتوں کو مِلا ہے سبز خلعت
سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور　　ہے چار طرف برس رہا نور
بٹیا ہے، نہ ہے سڑک نمودار　　اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی　　عالم ہے تمام لاجوردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار　　دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل　　ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو　　اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی　　گویا کہ ہے دِل میں بیٹھی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے　　سنسار کو سر پہ ہیں اُٹھاتے
سب خوانِ کرم سے ہیں حق کے سیر　　پانی میں مگر، کچھار میں شیر
زردار ہیں اپنے مال میں مست　　قلانچ ہیں اپنی کھال میں مست
ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر　　کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
مسجد میں ہے وِردِ اہلِ تقویٰ　　یا ربّ لنا و لا علینا
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا　　کرپا ہوئی تیری میگھ راجا!
کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی　　گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
جاتا ہے کوئی ملھار گاتا　　ہے دیس میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے　　اور بانسریاں بجاتے پھرتے
سرون کوئی گا رہا ہے بیٹھا　　چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا
رکھشک جو بڑے ہیں جین مت کے　　ڈھکنے ہیں دِلوں پہ رکھتے پھرتے
کرتے ہیں وہ یوں جیون کی رکھشا　　تا جل نہ اُٹھے کوئی پتنگا

ہیں شکر گزار تیرے برسات!　　اِنسان سے لے کے تا جمادات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دُنیا میں بہُت تھی چاہ تیری — سب دیکھ رہے تھے راہ تیری

تُجھ سے ہے کھُلا یہ رازِ قُدرت — راحت مِلتی ہے بعدِ کُلفت

شُکریۂ فیضِ عام تیرا — پیشانیٔ دہر پر ہے لکھّا

گُلشن کو دِیا جمال تُو نے — کھیتی کو کِیا نہال تُو نے

طاؤس کو ناچنا بتایا — کوئل کو الاپنا سِکھایا

جب مور ہے ناچنے پہ آتا — آپے سے ہے اپنے گُزرا جاتا

کوئل کو نہیں قرار اِک پل — ایسی کوئی تُو نے کوک دی کل

شب بھر میں ہُوا سماں دِگرگوں — کیا پڑھ دِیا آکے تُو نے افسوں

سوئے تو اساڑھ کا عمل تھا — اُٹھے تو سماں ہے ماہ کا سا

لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن — کشمیر میں پہنچے، جب ہُوا دِن

امرت سا ہوا میں بھر دِیا کچھ — اِک رات میں کُچھ سے کر دیا کچھ

دریا تُجھ بِن سسک رہے تھے — اور بن تیری راہ تک رہے تھے

دریاؤں میں تُو نے ڈال دی جان — اور تُجھ سے بنوں کو لگ گئی شان

جِن جھیلوں میں کل تھی خاک اُڑتی — مِلتی نہیں آج تھاہ اُن کی

جو دانے تھے خاک میں پریشان — سب آکے چڑھائے تُو نے پروان

دَولت جو زمیں میں تھی مخفی — آگے ترے اُس نے سب اُگل دی

پڑتے تھے ڈلاؤ جِس زمیں پر — واں سبزہ و گُل ہیں جلوہ گُستر

جِن پودوں کو کل تھے ڈھور چرتے — باتیں ہیں وہ آسماں سے کرتے

جِن باغوں میں اُڑتے تھے بگُولے — واں سیکڑوں اب پڑے ہیں جھولے

تھے ریت کے جِس زمیں پر انبار — ہے بیر بہوٹیوں سے گُلنار

کھم باغوں میں جا بجا گڑے ہیں — جھُولے ہیں کہ سُو بہ سُو پڑے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن — جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری — اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی — جنگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی
اک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے — اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے اُن میں کوئی ملھار گاتی — اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کوئی، کبھی ہنڈولا — کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا
اک جھولے سے وہ گری ہے جاکر — سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر
ندّی نالے چڑھے ہوئے ہیں — تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی — اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آکے گرتی — مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
چھلکے ہیں یہ پاٹ ندّیوں کے — دن بھر میں ہیں بیڑے جاکے لگتے
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی — موجوں کی ہیں صورتیں ڈراونی
ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں — موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں
ملاّحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان — بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان
منجدھار کی رَو زور پر ہے — مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

بیزار اک اپنے جان وتن سے — بچھڑا ہوا صحبتِ وطن سے
غربت کی صعوبتوں کا مارا — چلنے کا نہیں ہے جس کو یارا
غم خوار ہے کوئی اور نہ دل جو — اک باغ میں ہے پڑا لبِ جو
ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی — آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
ابر اتنے میں اک طرف سے اُٹھا — اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا
برق آکے لگی تڑپنے پیہم — اور پڑنے لگی پھوار کم کم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آنے جو لگے ہوا کے جھونکے
تھے جتنے سفر کے رنج بھولے

سامان ملے جو دل لگی کے
یاد آئے مزے کبھی کبھی کے

دیکھے کوئی اُس گھڑی کا عالم
وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم

وہ آپ ہی آپ گنگناتا
اور جوش میں آ کبھی یہ گانا

اے چشمۂ آبِ زندگانی
گھٹیو نہ کبھی تری روانی

جاتی ہے جدھر تری سواری
بستی ہے اُسی طرف ہماری

پائے جو کہیں مری سبھا کو
دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو

اوّل کہیو! سلام میرا
پھر دیجیو یہ پیام میرا

قسمت میں یہی تھا اپنی لکھا
فرقت میں تمھاری آئی برکھا

آتا ہے تمھارا دھیان جس دم
مُرغابیاں تیرتی ہیں باہم

ہم تم یوں ہی صُبح و شام اکثر
تالاب میں تیرتے تھے جا کر

جب سبزہ و گُل ہیں لہلہاتے
صُحبت کے مزے ہیں یاد آتے

ہم تم یوں ہی ہاتھ میں دیے ہات
پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دِن رات

جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا
میں تم کو اِدھر اُدھر ہوں تکتا

آخر نہیں پاتا جب کسی کو
دیتا ہوں دُعائیں بے کسی کو

رُت آم کی آئے اور نہ ہوں یار
جی اپنا ہے ایسی رُت سے بیزار

تم بن جو ہے بوند تن پہ پڑتی
چنگاری سی ہے بدن پہ پڑتی

ہے سرد ہوا بدن کو لگتی
پر، جی میں ہے آگ سی سُلگتی

پردیس میں، سچ ہے، کیا ہو جی شاد؟
جب جی میں بھری ہو دیس کی یاد

نشتر کی طرح تھی دِل میں چبھتی
فریاد یہ دردناک اُس کی

تھا سوز میں کچھ مِلا ہُوا ساز
پکڑا دِل، سُن اُس کی آواز

حیرت ہی رہی دیر تک کہ آخر
روڑا ہے کہاں کا یہ مُسافر؟

پھر غور سے اِک نظر جو ڈالی
نِکلا وہ ہمارا دوست حالی

شعر کی طرف خطاب

اے شعر! دِل فریب نہ ہو تو، تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے، جو نہ ہو دِل گداز تو

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
ہاں، سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں
تحسینِ روزگار سے ہے بے نیاز تو

حُسن اپنا گر دِکھا نہیں سکتا جہان کو
آپے کو دیکھ! اور کر اپنے پہ ناز تو

تو نے کِیا ہے بحرِ حقیقت کو موج خیز
دھوکے کا، غرق کر کے رہے گا جہاز تو

وہ دِن گئے، کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
قِبلہ ہو اب اُدھر، تو نہ کیجو نماز تو

اہلِ نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز
جو بے بصر ہیں، اُن سے نہ رکھ ساز باز تو

ناک اُوپری دوا سے تری گر چڑھائیں لوگ
معذور جان اُن کو، جو ہے چارہ ساز تو

چُپ چاپ اپنے سعی سے رکیے جا دِلوں میں گھر
اونچا ابھی بڑھ کر علمِ اِمتیاز تو

جو نابلد ہیں، اُن کو بتا چور بن کے راہ
گر چاہتا ہے خِضر کی عُمرِ دراز تو

عزت کا بھید مُلک کی خِدمت میں ہے چھپا
محمود جان آپ کو، گر ہے ایاز تو

اے شعر! راہِ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا
اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو

کرنی ہے فتح گر نئی دُنیا تو لے، نِکل!
بڑوں کا ساتھ چھوڑ کے، اپنا جہاز تو

ہوتی ہے سعی کی قدر، پہ بے قدریوں کے بعد
اِس کے خِلاف ہو تو سمجھ اُس کو شاذ تو

جو قدرداں ہو اپنا، اُسے مُغتنم سمجھ!
حالی کو تجھ پہ ناز ہے، کر اُس پہ ناز تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرثیہ دلّی

صحبتیں اگلی مصوّر! ہمیں یاد آئیں گی — کوئی دلچسپ مرقّع نہ دکھانا ہرگز
موج زن دل میں ہیں یاں خون کے دریائے چشم — دیکھنا، ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیّاح! — دیکھ اُس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
چپّے چپّے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک — دفن ہوگا نہ کہیں اِتنا خزانا ہرگز
مِٹ گئے تیرے مِٹانے کے نشاں بھی اب تو — اے فلک! اِس سے زیادہ نہ ستانا ہرگز
وہ تو بھُولے تھے ہمیں، ہم بھی اُنھیں بھُول گئے — ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانا ہرگز
جس کو زخموں سے حوادِث کے اچھوتا سمجھیں — نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز
ہم کو گر تو نے رُلایا تو رُلایا اے چرخ! — ہم پہ غیروں کو تو ظالم! نہ ہنسانا ہرگز
یار خود روئیں گے کیا، اُن پہ جہاں روتا ہے — اُن کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
آخری دَور میں بھی تجھ سے قسم ہے ساقی! — بھر کے اِک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دورِ زماں! — نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز
یاں سے رُخصت ہو سوئے کہیں اے عیش و نشاط! — نہیں اِس دَور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
کبھی اے علم و ہُنر! گھر تھا تمھارا دِلّی — ہم کو بھُولے ہو، تو گھر بھُول نہ جانا ہرگز
شاعری مر چُکی، اب زِندہ نہ ہوگی یارو! — یاد کر کر کے اُسے بھُول نہ جانا ہرگز
غالبؔ و شیفتہؔ و نیّرؔ و آزردہؔ و ذوقؔ — اب دِکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز
مومنؔ و علویؔ و صہبائیؔ و ممنونؔ کے بعد — شِعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو — ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز
داغؔ و مجروحؔ کو سُن لو کہ پھر اس گلشن میں — نہ سُنے گا کوئی بلبُل کا ترانا ہرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر — اب نہ دیکھو گے کبھی لُطفِ شبانا ہرگز

بزمِ ماتم تو نہیں، بزمِ سُخن ہے حالیؔ!
ہاں مُناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قرض لے کر حج کو جانے کی ضرورت

قریبِ موسمِ حج، قرض لے کے اِک دیں دار — چلا بہ نیّتِ حج گھر سے سوئے بیتُ اللہ
کہا یہ اُن سے اِک آزاد نے، کہ اے حضرت! — کیا ہے آپ کو شارع نے جبر یا اِکراہ
کہ قرض لے کے چلے ہیں حضور سوئے حجاز — وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بہ حالِ تباہ
نہ نان نفقہ، نہ فرزند و زن سے خاطرِ جمع — نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطرِ خواہ
سُنا یہ اور بہت تُرش ہو کے فرمایا — کہ روکتا ہے مُسلماں کو حج سے اے گمراہ!
وہ بادشاہ، کہ جو دُشمنوں کو دیتا ہے — نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانوں کی؟ — پہنچتے جو کہ ہیں طے کر کے برّ و بحر کی راہ
جنھیں فراغت و تنگی میں ہے اُسی سے اُمید — جنھیں سلامت و آفت میں ہے اُسی کی پناہ
وہ سُن کے بولا، کہ ناخواندہ میہمانوں کو — اُمید لُطف کی رکھنی ہے میزباں سے گُناہ
ذلیل ہوتے ہیں، جو بن بُلائے جاتے ہیں — طُفیلیوں کی نہیں دعوتوں میں عزت و جاہ
یہ سُن کے شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر، کہ کہیں — ہو مُدّعی نہ تجسُّس میں یاں کوئی ہمراہ
بُلا کے پاس پھر، آہستہ اُس سے فرمایا — ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
قدم پہنچتے جہاں تک ہیں پُختہ کاروں کے — جوانِ خام کی واں تک نہیں پہنچتی نگاہ
خُدا کے حُکم ہیں مبنی تمام حکمت پر — فتوح جن میں ہے دُنیا و دیں کی خاطرِ خواہ
نماز و روزہ ہو یا ہو طواف و عُمرہ و حج — حُصول جیسے کہ ہوتا ہے اُن سے قُربِ اِلٰہ
اُسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام — نہ جن میں چاہیے محنت، نہ کوششِ جاں کاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے، ورنہ — ہزاروں پھرتے ہیں حجّاجِ سادہ لوح، تباہ

یہ کہنے سُننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار!
وگرنہ علمِ معیشت وسیع ہے واللہ!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پولیٹیکل اسپیچیں

اے بزمِ سفیرانِ دول کے سخن آرا ! — ہر خورد و کلاں تیری فصاحت پہ فدا ہے
یہ سچ ہے کہ جادو ہے بیاں میں ترے، لیکن — کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
ظاہر ہے نہ غصّہ میں بیاں سے ترے رنجش — نے لطف میں کچھ طرزِ بیاں اس سے جدا ہے
ہے دل میں نہاں ایک شکایات کا طومار — اور لب پہ جو دیکھو، تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
جو صلح کی باتیں ہیں، سو ہیں شہد سے شیریں — اور جنگ میں کچھ لطفِ سخن اس سے سوا ہے
گر سوچیے تو سیکڑوں پہلو ہیں مفر کے — اور سنیے تو زنجیروں سے ہر قول بندھا ہے
دل کو ترے ہوتی نہیں معلوم کوئی بات — گونگا نہیں، گویا نہیں، کیا جانیے کیا ہے؟
کھلتا نہیں کچھ اس کے سوا تیرے بیاں سے — اک مرغ ہے خوش لہجہ، کہ کچھ بول رہا ہے

تھے لب پئے اظہار، پہ اب آکے کھلا یہ
انسان کو اخفا کے لیے نطق ملا ہے

دلّی کی شاعری کا تنزّل

اک دوست نے حالی کے کہا از رہِ انصاف — کرتے ہیں پسند اہلِ زباں اس کے سخن کو
چند اہلِ زباں، جن کو کہ دعوا تھا سخن کا — بولے کہ نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہلِ زباں سے — ہو چھو نہ گئی غیر زباں اس کے دہن کو
معلوم ہے، حالی کا جو ہے مولد و منشا — اردو سے بھلا واسطہ حضرت کے وطن کو
اردو کے دھنی وہ ہیں، جو ہیں دلّی کے روڑے — پنجاب سے مس اس کو، نہ پورب، نہ دکن کو
بلبل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے — کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو؟
حالی کی زباں گر بہ مثل نہرِ لبن ہو — خالص نہ ہو تو کیجیے کیا لے کے لبن کو؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ
پہنچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو

مانا کہ ہے بے ساختہ پن اُس کے بیاں میں
کیا پھونکیے اِس ساختہ بے ساختہ پن کو

یہ دوست نے حالی کے سُنی جب یہ تعلّی
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو

کچھ شعر تھے یاد اُن کے، پڑھے اور یہ پوچھا
کیوں صاحبو! عزّت اِسی اُردو سے ہے فن کو؟

سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے
کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سُخن کو؟

حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فرضی لطیفہ

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر!
مجھے تو ان کی خوش حالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہدِ مقصود کے ہیں
نہ جائیں گے و لیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کیا ہے جس کو میں نے زیبِ قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
کہ بیٹا! تو اگر کرلے ایم۔ اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے، یہ اچھی سنائی
کجا عاشق، کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟
ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی
مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس
دِل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود
نہیں منظور مغزِ سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرطِ وصلِ لیلیٰ
تو استعفیٰ مرا باحسرت و یاس

قطعہ

پیر و مرشد نے کیا قوم میں بچپن پیدا
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائے گا جوبن پیدا
وہ تو پیدا نہ ہوا، ہاتھ سے بچوں کے مگر
ہو گیا دین کی دیوار میں روزن پیدا
پستیِ قوم کے جب آ گئے دن اے اکبر!
اونچے درجوں میں ہوئے عقل کے دشمن پیدا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دین کیا چیز ہے؟ شیرازۂ قومی ہے فقط / جس سے ملّت کی ہے اِک صورتِ احسن پیدا

آج ہوتا نہیں اِس کا ضرر اِن کو محسوس / ہو رہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا

بالیقیں آئے گا اِس باغ پہ ایسا اِک وقت / کر چلیں گی روشیں نشتر و سوزن پیدا

صورتِ برگِ خزاں دیدہ پھریں گے اُڑتے / نہ بہار آئے گی، پھر ہوگا نہ گلشن پیدا

باپ کے خون سے ہوگی جو حمیّت زائل / ہوں گے اطفال بھی بے غیرت و کودن پیدا

کاہ کی طرح سے اُڑ جائیں گے دینی اعمال / اِختلافات کے ہو جائیں گے خرمن پیدا

عظمتِ جہل سے گھِر جائیں گے دِل کے اطراف / سینوں میں ہو نہ سکیں گے دلِ روشن پیدا

کون کہتا ہے کہ اِنگلش کا نہ ہو دِل سے مطیع / کون کہتا ہے نہ کر اُلفتِ دِلسن پیدا

کون کہتا ہے تکلّف سے نہ کر زیست بسر / کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ، عقل نہ سیکھ / کون کہتا ہے نہ کر حسرتِ لندن پیدا

بس یہ کہتا ہوں کہ ملّت کے معانی کو نہ بھول / راہِ قومی کا تو، خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

قوم قوم آٹھ پہر سُنتے ہیں ہم، قوم کہاں؟ / تار باقی نہیں، تو کرتا ہے دامن پیدا

مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی / یہ جو ٹوٹی، تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

کچھ گھروندا نہیں نیشن کہ بنا لیں لڑکے / فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے نیشن پیدا

سلف ریسپکٹ کا پھر یاد رہے گا نہ سبق / پھر نہیں ہونے کی یہ بحثِ تو و من پیدا

بزمِ تہذیب سے ہو جائیں گے قطعاً خارج
حِس ہی باقی نہ رہے گی، کہ ہو شیون پیدا

قطعہ

اِک مِس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
اِس خطا پر سُن رہا ہوں طعنہ ہائے دِل خراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اِس نے بگاڑی نسلِ قوم
کوئی کہتا ہے کہ ہے یہ بدخصال و بدمعاش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دِل میں کچھ اِنصاف کرتا ہی نہیں کوئی بُزرگ
ہو کے اب مجبور، خود اِس راز کو کرتا ہوں فاش
ہوتی تھی تاکید، لندن جاؤ، انگریزی پڑھو
قَومِ اِنگلش سے مِلو، سِیکھو وہی وضع و تراش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظّارہ کرو
سوپ و کریّ کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش
لیڈیوں سے مِل کے دیکھو اُن کے انداز و طریق
ہال میں ناچو، کلب میں جا کے کھیلو اُن سے تاش
بادۂ تہذیبِ یوُرپ کے چڑھاؤ خُم پہ خُم
ایشیا کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش
جب عمل اِس پر کیا، پریوں کا سایہ ہو گیا
جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر اِرتعاش
سامنے تھیں لیڈیانِ زہرہ وش، جادُو نگاہ
یاں جوانی کی اُمنگ اور اُن کو عاشق کی تلاش
اُس کی چِتوَن سِحر آگیں، اُس کی باتیں دِل رُبا
چال اُس کی فِتنہ خیز، اُس کی نِگاہیں برق پاش
وہ فروغِ آتشِ رُخ، جس کے آگے آفتاب
اِس طرح، جیسے کہ پیشِ شمع پروانے کی لاش
جب یہ صورت تھی، تو ممکن تھا؟ کہ اِک برقِ بلا
دستِ سیمیں کو بڑھاتی، اور میں کہتا دُور باش
دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا
دِل ہی تھا، آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بار بار آتا ہے اکبرؔ! میرے دِل میں یہ خیال
حضرتِ سیّد سے جاکر عرض کرتا کوئی کاش!
"درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہُشیار باش

مدرسۂ علی گڑھ

خُدا علی گڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے، امیر زادے، شریف زادے
لطیف و خوش وضع، چُست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خُرم
طبیعتوں میں ہے اُن کی جودت، دِلوں میں اُن کے ہیں نیک ارادے
کمالِ محنت سے پڑھ رہے ہیں، کمالِ غیرت سے پڑھ رہے ہیں
سوار مشرق کی راہ میں ہیں، تو مغربی راہ میں پیادے
ہر اک ہے ان میں کلبے شک ایسا کہ آپ اُسے چاہتے ہیں جیسا
دِکھائے محفل میں قدِّ رعنا، جو آپ آئیں تو سر جھکا دے
فقیر مانگے تو صاف کہہ دیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کُل کھلا دے
بتوں سے اُن کو نہیں لگاوٹ، مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ
تمام قوّت ہے صرفِ خواندن، نظر کے بھولے ہیں دِل کے سادے
نظر بھی آئے جو زُلفِ پیچاں، تو سمجھیں یہ کوئی پالسی ہے
اِلکٹرک لائٹ اُس کو سمجھیں، جو برق وش کوئی مُسکرا دے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نکلتے ہیں کر کے غول بندی ، بنامِ تہذیب و دردمندی
یہ کہہ کے لیتے ہیں سب سے چندے ، جو تم ہمیں دو ، تمھیں خدا دے
انھیں اِسی بات پر یقیں ہے ، کہ بس یہی اصل کارِ دیں ہے
اِسی سے ہوگا فروغِ قومی ، اِسی سے چمکیں گے باپ دادے
مکانِ کالج کے سب مکیں ہیں ، ابھی انھیں تجربے نہیں ہیں
خبر نہیں ہے کہ آگے چل کر ہے کیسی منزل ، ہیں کیسے جادے
دِلوں میں اُن کے ہے نورِ ایماں ، قوی نہیں ہے مگر نگہباں
ہوائے منطق ، ادائے طفلی ، یہ شمع ایسا نہ ہو بجھا دے
فریب دے کر نکالے مطلب ، سکھائے تحقیرِ دین و مذہب
مٹا دے آخر کو دین و مذہب ، نمودِ ذاتی کو گو بڑھا دے
یہی بس اکبر کی اِلتجا ہے ، جنابِ باری میں یہ دُعا ہے
علوم و حکمت کا درس اِن کو پروفسر دیں ، سمجھ خدا دے

مُستقبل

یہ موجودہ طریقے راہیِ مُلکِ عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی ، اور نئے ساماں بہم ہوں گے
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زُلفوں میں ، نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے
نہ خاتونوں میں رہ جائے گی یہ پردے کی پابندی
نہ گھونگھٹ اِس طرح سے حاجبِ روئے صنم ہوں گے
بدل جائے گا اندازِ طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہوں گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گُل، زمزمے بلبل کے کم ہوں گے
عقائد پر قیامت آئے گی ترمیمِ ملّت سے
نیا کعبہ بنے گا، مغربی پتلے صنم ہوں گے
بہت ہوں گے مغنّی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے، اِس لیے بے تال وسم ہوں گے
ہماری اصطلاحوں سے زبان ناآشنا ہوگی
لُغاتِ مغربی بازار کی بھاشا سے ضم ہوں گے
بدل جائے گا معیارِ شرافت چشمِ دُنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زُعم میں، وہ سب سے کم ہوں گے
گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہوں گے
کسی کو اِس تغیّر کا نہ ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا، اُسی کے زیر و بم ہوں گے
تمھیں اِس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبرؔ!
بہت نزدیک ہے وہ دِن، نہ تم ہوگے، نہ ہم ہوں گے

—:—

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قطعہ

خُدا جانے! کہا کس نے یہ کس دن عقلِ مُسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھُٹکارا

گئی دُنیا، تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھّیں
بُرا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پُشتارا

مُضر ہیں مذہبی قیدیں، مُناسب ہے شکست اُن کی
مُزاحم ہیں مگر یہ مولوی، اِن کا نہیں چارا

وہ چھینٹے دیجیے اِن کو حکیمانہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی، یہ گھر ہو مُنہدم سارا

عمل جاتا رہے بالکُل، فقط الفاظ رہ جائیں
اِنھیں بھی پست کر دے مغربی حِکمت کا نقّارا

ترقّی پائے گی قوم آپ کی پھر دورِ گردوں میں
عجب کیا ہے، کہ پھر بہنے لگے اِقبال کا دھارا

قیامت کر گئی قومی ترقّی گوشِ مُسلم میں
لگا کہنے؛ زہے قسمت! اگر حاصل شود مارا

اگر آں شاہدِ مغرب بدست آرد دلِ مارا
بہ چشمِ مستِ او بخشیم تسبیح و مُصلّیٰ را

مُصلّیٰ کو غرض تہ کر کے اُٹھّا عابدِ مشرق
جو طاقت آ گئی تھی دل میں، اُس طاقت نے للکارا

اِدھر تحریر، اُدھر اسپیچ، اِدھر سازش اُدھر بندش
اِسے جھڑکا، اُسے ڈانٹا، اِسے گانٹھا، اُسے مارا

نتائج پر نظر کب مردِ عاشق تن کی ہوتی ہے
وہ سمجھے ہیں، نئی اِک قوم کا بن جاؤں گا دارا

دو روزہ پالیسی نے اِس طرف سے تقویت دے دی
اُدھر بجنے لگا فتح و ظفر کا پھر تو نقّارا

ڈِنر، عہدے، تبسّم، مشورے، وعدے بنے گیسو
وہ گیسو، پھیلی جن سے بوئے مستِ عنبر سارا

حواسِ ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مُشکل
کُجا موہوم حوریں، اور کُجا پریوں کا نظّارا

وہ لوٹے، یہ گرے، وہ پھسلے، یہ چت، اُن کو غش آیا
نہ ایماں میں رہی طاقت، نہ دِل میں ضبط کا یارا

حریفانِ طرب آگیں نے چھیڑا سازِ عشرت کو
بجایا سب نے مِضرابِ ہوس سے دار دا دارا

بُتوں کے عشق میں پڑ ہی چکے تھے عقل پر پتھّر
مِسوں کا بے تکلّف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا

غریبوں، دردمندوں، بے کسوں کے دِل کی کیا ہستی
وہ حالت پیش آئی تھی کہ جِس سے موم ہو خارا

نہ حالی کی مُناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رُکے یارانِ خود آرا

زبانِ حال سے فریاد تھی یہ اہلِ تمکیں کی
کہ اے نظمِ جہاں را حافظ و اے عرش را دارا!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فغاں زیں سحر فن، دلکش مسانِ آفتِ ایماں　　چناں بُردند صبر از دل، کہ ترکاں خوانِ یغما را
ہُوا سب کو تعجب، کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا　　نہ تھا یہ مطلبِ سیّد، کہ اِس رُخ پر چلے دھارا
وہ پردے کے بڑے حامی تھے، طاعت کے مؤیّد تھے　　وہ خواہاں تھے، کہ چمکے اوج پر اِسلام کا تارا
حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبدِ مذہب　　تو کیا اقبال و عزت کا ادھر بہنے لگا دھارا
مُناسب کچھ، مگر دیکھا جو بالآخر، تو کیا دیکھا!　　وہی اینٹیں، وہی پتھر، وہی چونا، وہی گارا
ادھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے　　اُدھر بازی حریفوں کی ہے، ہاتھ اُن کے ہے پوبارا
نتیجے ہم نے خود آنکھوں سے دیکھے روزِ روشن میں　　فلک نے سرکشوں کو خاکِ ناکامی پہ دے مارا
کہیں تحقیرِ مذہب کی، کوئی توقیر کرتا ہے　　بُجھا کر نورِ دل کو، کب ہے چمکا بخت کا تارا
بہت ہے غفلت و ترکِ عمل دنیا میں، یہ مانا　　عقیدہ اصل ہے، لیکن وہ ہونا چاہیے پیارا
مدارِ خیر خواہی ترکِ مذہب پر نہیں ہرگز　　ہر اک نے دل سے اِنگلش کی ہے لائلٹی کا دم مارا
نہ تھا یہ مطلبِ سارہ کہ اسماعیل کافر ہو　　حریفانہ نہ ہو، انداز مطلب تھا یہی سارا
جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائیں گے، تو کیا ہوگا؟　　خُدارا اِک نظر اِس سین کا کرتے تو نظّارا
صلوٰۃِ بے وضو سے رو رہی ہے اس طرف مسجد　　اُدھر قرآں بے رغبت سے دِل مذہب کا سی پارا
مشینیں چل رہی ہیں، اور کسی کی کچھ نہیں چلتی　　اِدھر ہیں بے چھلے گنڈے، اُدھر ہے برق وش آرا
خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا، اِس کے کیا معنی؟　　یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خود بین و خود آرا
کہیں اطفالِ ناداں ہیں، کہیں پیرانِ بے طاقت　　یہ غوطے کھاتے ہیں، فقرے میں آتا ہے وہ بیچارا
یہ اخلاقی و روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں؟　　یہ نفسِ مطمئنّہ پر ہُوا کیوں غالب؟ امّارا
یہ کس کُل کے بنیں گے جزو کھو کر اپنی ملّت کو؟　　مگر ہاں اپنے بیلوں میں ملا لے کوئی بنجارا
ہمارے حکمراں تو چرچ میں سرگرمِ طاعت ہوں　　تو ہم بندے پھریں کیوں دشتِ بے دینی میں آوارا
عمل مطلوب ہے بے شک، یہ نورِ اپنا کیوں کھوئیں　　زمانے کو ہے گردش، ہم نہیں ثابت سے سیّارا
ہُوالاوّل، ہُوالآخر، یہ شہد روح پرور ہے　　پھرو آزاد ہو کر، یہ ہے بالو کا شکر پارا
بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقشِ جاں فزا دل پر　　کہ روحانی ترقی میں ہو لڑکا عرش کا تارا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہت فکر اس کی ہے دِن رات گو قومی بزرگوں کو / مگر کم ور یہ موجیں، اُدھر غفلت کا ہے دھارا
میں یہ پیچیدہ بحثیں پیش کرنے کو تھا آمادہ / کہ اتنے میں جناب حضرتِ حافظ نے للکارا

حدیث از مطرب و مے گو، و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمّا را

قطعہ

یہ موجودہ طریقے راہیِ مُلکِ عدم ہوں گے / نئی تہذیب ہوگی، اور نئے ساماں بہم ہوں گے
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی / نہ ایسا پیچ زُلفوں میں، نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے
نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی / نہ گھونگھٹ اِس طرح سے حاجبِ روئے صنم ہوں گے
بدل جائے گا اندازِ طبائع دورِ گردوں سے / نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہوں گے
نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں / نہ نستعلیق حرف اِس طور سے زیبِ رقم ہوں گے
خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی / کھلیں گے اور ہی گل، زمزمے بلبل کے کم ہوں گے
عقائد پر قیامت آئے گی ترمیمِ ملّت سے / نیا کعبہ بنے گا، مغربی پُتلے صنم ہوں گے
بہت ہوں گے مغنّی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے / مگر بے جوڑ ہوں گے، اِس لیے بے تال و سم ہوں گے
ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی / لغاتِ مغربی، بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے
بدل جائے گا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں / زیادہ تھے جو اپنے زعم میں، وہ سب سے کم ہوں گے
گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے / کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہوں گے
کسی کو اِس تغیر کا نہ حِس ہوگا، نہ غم ہوگا / ہوئے جس ساز سے پیدا، اُسی کے زیر و بم ہوں گے

تمھیں اِس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے، اے اکبرؔ!
بہت نزدیک ہیں وہ دِن نہ تم ہوگے، نہ ہم ہوں گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قطعہ

وہ ہوا نہ رہی، وہ چمن نہ رہا، وہ گلی نہ رہی، وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا، وہ سماں نہ رہا، وہ مکاں نہ رہا، وہ مکیں نہ رہے
وہ گلوں میں گلوں کی سی بو نہ رہی، وہ عزیزوں میں لطف کی خو نہ رہی
وہ حسینوں میں رنگِ وفا نہ رہا، کہیں اور کی کیا؟ وہ ہمیں نہ رہے
نہ وہ آن رہی، نہ اُمنگ رہی، نہ وہ رِندی و زُہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رُخ نہ رہے، درِ دیر پہ نقشِ جبیں نہ رہے
نہ وہ جام رہے، نہ وہ مست رہے، نہ فدائیِ عہدِ الست رہے
وہ طریقۂ کارِ جہاں نہ رہا، وہ مشاغلِ رونقِ دیں نہ رہے
ہمیں لاکھ زمانہ لُبھائے تو کیا؟ نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہلِ وفا کے لیے، غمِ ملّت و اُلفتِ دیں نہ رہے
ترے کوچۂ زُلف میں دِل ہے مرا، اب اسے میں سمجھتا ہوں دامِ بلا
یہ عجیب ستم ہے، عجیب جفا، کہ یہاں نہ رہے، تو کہیں نہ رہے
یہ تمھارے ہی دم سے ہے بزمِ طرب، ابھی جاؤ نہ تم، نہ کرو یہ غضب
کوئی بیٹھ کے لُطف اُٹھائے گا کیا؟ کہ جو رونقِ بزم تمھیں نہ رہے
جو تھیں چشمِ فلک کی بھی نورِ نظر، وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں، کہ نشان بھی اُن کے کہیں نہ رہے
وہی صورتیں رہ گئیں پیشِ نظر، جو زمانہ کو پھیریں اِدھر سے اُدھر
مگر ایسے جمالِ جہاں آرا، جو تھے رونقِ روئے زمیں، نہ رہے
غم و رنج میں اکبرؔ! اگر ہے گھِرا، تو سمجھ لے! کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا، وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قطعہ

عشرتی! گھر کی محبت کا مزا بھول گئے ؟
کھا کے لندن کی ہوا، عہدِ وفا بھول گئے

پہنچے ہوٹل میں، تو پھر عید کی پروا نہ رہی
کیک کو چکھ کے، سوئیوں کا مزا بھول گئے

بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں وہاں
سایۂ کفر پڑا، نورِ خدا بھول گئے

موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے

کیسے کیسے دلِ نازک کو دکھایا تم نے؟
خیر فیصلۂ روزِ جزا بھول گئے

بخل ہے اہلِ وطن سے، جو وفا میں تم کو
کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھول گئے؟

نقلِ مغرب کی ترنگ آئی تمہارے دل میں
اور یہ نکتہ، کہ مری اصل ہے کیا؟ بھول گئے

کیا تعجب ہے؟ جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جب کہ بوڑھے روشِ دینِ خدا بھول گئے

قطعہ

بٹھائی جائیں گی پردے میں بیبیاں کب تک؟
بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک؟

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک؟

میاں سے بی بی ہیں، پردا ہے اُن کو فرض مگر
میاں کا علم ہی اُٹھا، تو پھر میاں کب تک؟

طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں
یہ غیرتیں، یہ حرارت، یہ گرمیاں کب تک؟

عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں
سکنڈ و فسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک؟

جو منھ دکھائی کی رسموں پہ ہے مُصر ابلیس
چھپیں گی حضرتِ حوا کی بیٹیاں کب تک؟

جنابِ حضرتِ اکبر ہیں حامیِ پردہ
مگر وہ کب تک اور اُن کی رباعیاں کب تک؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قطعہ

چاہا جو مَیں نے اُن سے طریقِ عمل پہ وعظ — بولے کہ نظمِ ذیل کو اِرقام کیجیے
پیدا ہُوئے ہیں ہند میں اِس عہد میں جو آپ — خالق کا شُکر کیجیے، آرام کیجیے
بے انتہا مُفید ہیں یہ مغربی علوم — تحصیلِ اِن کی بھی سحر و شام کیجیے
ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مُطمئن — خاطر سے محو، خطرۂ انجام کیجیے
پیرانِ بے فروغ کا گُل ہو چُکا چراغ — ناحق نہ دِل کو تابعِ اوہام کیجیے
رکھیے نہ دِل کو دیر و کلیسا سے مُنحرف — متروک قیدِ جامۂ اِحرام کیجیے
الفاظِ کُفر و فسق کو بس بھول جائیے — ہر ملّت و طریق کا اِکرام کیجیے
رہیے جہاں میں وسعتِ مشرب سے نیک نام — مُجھ کو مُرید، ہندوؤں کو رام کیجیے
رکھیے نمود و شُہرت و اعزاز پر نظر — دولت کو صرف کیجیے، اور نام کیجیے
سامان جمع کیجیے، کوٹھی بنائیے — باصد خلوص دعوتِ حُکّام کیجیے
آرائشوں سے گھر کو مُہذّب بنائیے — تزئینِ بام و سقف و در و بام کیجیے
یارانِ ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیے — جو مُتّفق نہ ہو، اُسے بدنام کیجیے
چشم و لبِ بُتاں سے بھی غافل نہ ہو جیے — تکمیلِ شوقِ پستہ و بادام کیجیے
نظّارۂ رسّاں سے تر و تازہ رکھیے آنکھ — تفریحِ پارک میں سحر و شام کیجیے
مذہب کا نام لیجیے، عامل نہ ہو جیے — موقع ملے، تو شُغلِ مے و جام کیجیے
طرزِ قدیم پر جو نظر آئیں مولوی — پبلک میں اُن کو موردِ اِلزام کیجیے
زنجیرِ فقہ توڑیے، کہہ کر خلافِ شرع — مضمون لکھیے، دعوئ اِلہام کیجیے
ممنوع ہے تعدّدِ ازواج خاص کر — یوں گھوم پھر کے تنقیۂ عام کیجیے
قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور — اِس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجیے
لڑکے نہ ہوں، تو ہو نہیں سکتی چہل پہل — فکریں پئے وظیفہ و اِنعام کیجیے
تحصیلِ چندہ کیجیے، لڑکوں کو بھیج کر — سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے رونقی سے کاٹیے کیوں اپنی عمر کو؟ کیوں انتظارِ گردشِ ایّام کیجیے؛
جو چاہیے وہ کیجیے، بس یہ ضرور ہے ہر انجمن میں دعویٔ اسلام کیجیے
لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجیے

قطعہ

سیّد سے آج حضرتِ واعظ نے یہ کہا، "چرچا ہے جا بجا ترے حالِ تباہ کا
سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا دل میں ذرا اثر نہ رہا لا اِلٰہ کا
ہے تجھ سے ترکِ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج کچھ ڈر نہیں جنابِ رسالت پناہ کا
شیطان نے دکھا کے جمالِ عروسِ دہر بندہ بنا دیا ہے تجھے حُبِّ جاہ کا"
اُس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج راحت میں جو مخل ہو، وہ کانٹا ہے راہ کا
افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر کیا جانیے؛ جو رنگ ہے شام و پگاہ کا
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا
وہ آب و تاب و شوکتِ ایوانِ خسروی وہ محکموں کی شان، وہ جلوہ سپاہ کا
آئے نظر علومِ جدیدہ کی روشنی جس سے خجل ہو نورِ رُخِ مہر و ماہ کا
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی کم سن مِسوں سے ذکر ہو اُلفت کا چاہ کا
نوخیز، دل فریب، گل اندام، نازنیں عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا
دیکھے اگر، تو ہنس کے کہے اک بتِ حسیں؛ "وَیل مولوی! یہ بات نہیں ہے گناہ کا"
اُس وقت قبلہ! جھک کے کروں آپ کو سلام پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا
پتلون و کوٹ و بنگلہ و بسکٹ کی دھن بندھے سودا جناب کو بھی ہو، ٹرکی کلاہ کا
منبر پہ یوں تو بیٹھ کے گوشہ میں اے جناب!
سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب — گورمنٹ سیّد پہ کیوں مہرباں ہے؟
اُسے کیوں ہُوئی اِس قدر کامیابی؟ — کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہماں اُس کے — کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز — دیا ہم نے ہر صیغے کا اِمتحاں ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے — یہاں جتنی اِنگلش ہے، سب برزباں ہے
کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب! — سُنو مجھ سے، جو رمز اِس میں نہاں ہے

نہیں ہے تمھیں کچھ بھی سیّد سے نسبت
تُم انگریزی داں ہو، وہ انگریز داں ہے

امُورِ مُلکی کی بحث میں تم، جو ہِندُوؤں کے بنو گے ساتھی
نہ لاٹ صاحب خطاب دیں گے، نہ راجاجی سے ملے گا ہاتھی
نہ اپنا مکھن وہ تم کو دیں گے، نہ اپنی پوری وہ بانٹ دیں گے
پڑے گا موقع جو کوئی آکر، تو دونوں ہی تُم کو چھانٹ دیں گے
مگر وہ رہتے ہیں دُور تُم سے، یہ لوگ ساتھی ہیں اور پڑوسی
ملے جُلے ہیں سوسائٹی میں، امیر اُن میں، تو ہم میں گھوسی
ہزل کو اپنی جو چھوڑ کر تم، اُنھیں کی شرکت کرو زٹل میں
تو یہ تو کوئی نہ کہہ سکے گا، تُمھارے دشمن کہاں بغل میں
نہ ہوگی حُکّام کو بھی دِقّت، جو ہوگی اِک جا ہر اک کی خواہش
ضرورت اُن کو بھی یہ نہ ہوگی، کریں علیحدہ علیحدہ پُرسِش
جو مانگو گے ایک پھل مُسلّم، وہ کاٹ کر ایک پھانک دیں گے
چلاؤ گے پھر بھی مُنہ تو سب کو وہ ایک لاٹھی سے ہانک دیں گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تخت کے قابض وہی، دیہیم اُن کے ہاتھ میں
مُلک اُن کا، رزق کی تقسیم اُن کے ہاتھ میں

برق کی صورت طبائع پر پہنچتا ہے اثر
آگیا تارِ اُمید و بیم اُن کے ہاتھ میں

ہم کو سایے پر جنوں، وہ دھوپ میں مصروفِ کار
مِس پہ ہے اپنی نظر، اَور سیم اُن کے ہاتھ میں

صبر باقی ہے، نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اَور تعظیم اُن کے ہاتھ میں

شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں، کہتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم اُن کے ہاتھ میں

مغربی رنگ وروش پر کیوں نہ آئیں؛ اب قلوب
قوم اُن کے ہاتھ میں، تعلیم اُن کے ہاتھ میں

مغرب ایسا ہی رہا، اَور ہے اگر مشرق یہی
ایک دن دیکھیں گے ہفت اقلیم اُن کے ہاتھ میں

اِس بزم میں کیا آثار ملے؟ ہنگامِ سحر سامانوں کے
اِک داغ تھا شمعِ مُردہ کا، کُچھ پر تھے پڑے پروانوں کے

ہستی کی یہ لہریں دامِ نظر، دم بھر میں نشاں اُن کا، نہ اثر
گرداب فنا میں غرق ہیں سب، دریا ہیں رواں افسانوں کے

دِل لذّتِ نفس کا گرویدہ، دُنیا کی حقیقت پوشیدہ
اُمڈے ہیں فریب اُمیدوں کے، طوفاں ہیں بپا ارمانوں کے

ہر گام پہ ہیں قبروں کے نشاں، ہر سمت ہے اِک عبرت کا سماں
اُجڑا ہے محل آبادی کا، آباد ہیں گھر ویرانوں کے

دَولت میں جو شرطِ عصیاں ہو، بہتر ہے کہ قانع انساں ہو
غالب جو نہ ہوں شیطانوں پر، تابع نہ ہوں وہ شیطانوں کے

یہ مُدّعیِ اسلام تو ہیں، ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے
تقوے کی وہ بو ہی اِن میں نہیں، وہ رنگ نہیں ایمانوں کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھی عقل زباں پر اے اکبرؔ! اور عشق پہ رکھّی ہم نے نظر
ممتاز رہے ہُشیاروں میں، سرِ خیل رہے دیوانوں کے

دُنیا کا ذرا یہ رنگ تو دیکھ، ایک ایک کو کھائے جاتا ہے
بن بن کے بِگڑتا جاتا ہے، اور بات بنائے جاتا ہے
اِنسان کی غفلت کم نہ ہُوئی، قانونِ فنا کی عبرت سے
ہر گام پہ رُکتے پانو بھی ہیں؛ اور سر بھی اُٹھائے جاتا ہے
اُس کو نہ خبر کچھ اِس کی ہے، اِس کو ہے نہ کچھ پروا اُس کی
روتا ہے، رُلائے جاتا ہے، ہنستا ہے، ہنسائے جاتا ہے
کُچھ سوچ نہیں، کچھ ہوش نہیں، فتنوں کے سِوا کُچھ جوش نہیں
وہ لوٹ کے بھاگا جاتا ہے، یہ آگ لگائے جاتا ہے

بہت ہی عُمدہ ہے اے ہم نشین! برٹش راج
کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں، اُصول بھی ہے
جو چاہے کھول لے دروازۂ عدالت کو
کہ تیل پیچ میں ہے، ڈھیلی اُس کی چوُل بھی ہے
نِگاہ کرتے ہیں حاکم بہُت تعمّق سے
تُمھاری عرض میں، گو کُچھ زیادہ طوُل بھی ہے
غلل نہ شغل میں بُدّھو کے ہے نہ جُمّن کے
کہ شیخ سدّو بھی ہیں، اور قدم رسُول بھی ہے
عطا ہُوئی ہے یہ اسپیکروں کو آزادی
کہ حاکموں میں ہے قال، تو یاں اقول بھی ہے
محلِّ صلِّ علیٰ، ڈاک و تار کی ہے روِش
اگرچہ دِل میں نہاں عظمتِ رسُول بھی ہے
جگہ بھی مِلتی ہے کونسِل میں آنریبلی کی
جو اِلتماس ہو عُمدہ، تو وہ قبوُل بھی ہے
چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی
کہ آنکھ محو ہے، خاطِر اگر ملوُل بھی ہے
طرح طرح کے بنا لو لباسِ رنگا رنگ
عِلاوہ روئی کے، ریشم بھی ہے اوُل بھی ہے
اندھیری رات میں جنگل میں ہے رواں اِنجن
کہ جِس کو دیکھ کے حیران چشمِ غوُل بھی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۔شگفتہ پارک میں ہر سمت رہروؤں کے لیے   نظر نواز ہے پتّی، حسین پھول بھی ہے

جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبرؔ!
تو حرج کیا ہے؟ جو ساتھ اس کے ڈیم فول بھی ہے

قطعہ

انگلش ڈرس انور کا جو کل بزم میں دیکھا   اکبرؔ نے کہا؛ یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیّر   تبدیلیِ صورت کے رہے گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا   شرماؤ گے، کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بیگانہ وشی ہوگی عزیزانِ وطن سے   بنگلے میں نہاں ہو گے کہیں، چھوڑ کے گھر بار
فاتح سے مساوات کی اٹھیں گی اُمنگیں   وہ زیست جو آسان تھی، ہو جائے گی دشوار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے   ایک ایک کو دیکھے گا، بہ اکراہ و بہ انکار
آخر کو رہو گے نہ اِدھر کے، نہ اُدھر کے   انگریز بھی کھنچتے رہیں گے، قوم بھی بیزار
انور نے کہا؛ صلِّ علیٰ، واہ! بہت خوب   شک اس میں نہیں، مدح کے قابل ہے یہ گفتار
لیکن جو یہ تعمیم ہے حضرت کے سخن میں   اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار
ہر مذہب و ملّت میں ہیں اچھے بھی بُرے بھی   وہ کون سا فرقہ ہے، کہ ہوں جس میں سب ابرار
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور   اس کے بھی بجا ہونے کا مجھ کو نہیں اقرار
باطن سے ہے اخلاقِ حمیدہ کا تعلق   فطرت میں جو ہے نیک، وہ بد ہوگا نہ زنہار
اوضاعِ زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے   رُکتی نظر آتی نہیں، دنیا کی یہ رفتار
ہے جس کو ضرورت، وہ ضرورت سے ہے مجبور   ہے شوق جسے، کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے، وہ ہے دل کی درستی   کیا ہیٹ و اوور کوٹ ہو؟ کیا جبّہ و دستار
شبہ مرے اس قول کی صحّت میں اگر ہو   سن لیجیے سعدیؔ کا یہ ارشادِ گہربار

"حاجت بہ کلاہِ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار"

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قطعہ

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار
حکمِ حاکم سے ہُوا تھا اجتماعِ انتشار

آدمی اور جانور اور گھر مُزیّن اور مشین
پھول اور سبزہ، چمک اور روشنی، ریل اور تار

کیروسین اور برق اور پیٹرولیم اور تارپین
موٹر اور ایروپلین، اور جھنڈے اور اقتدار

مشرقی پتلون میں خدمت گزاری کی اُمنگ
مشرقی شکلوں سے شانِ خود پسندی آشکار

شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرر
زینت و دولت کی دیوی، امپرس عالی تبار

بحرِ ہستی لے رہا تھا بے دریغ انگڑائیاں
ٹیمز کی امواج جمنا سے ہُوئی تھیں ہم کنار

انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے
تھی پئے اہلِ بصیرت، باغِ عبرت میں بہار

ذرّے ویرانوں سے اُٹھّے تھے تماشا دیکھنے
چشمِ عبرت بن گئی تھی، گردشِ لیل و نہار

مصلحت آمیز ہر طرز و طریقِ انتظام
حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار

جامے سے باہر نگاہ نازِ فتّاحانِ ہند
حدِّ قانونی کے اندر آنریبلوں کی قطار

خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہُوا
فکرِ ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار

دعوتیں، انعام، اسپیچیں، قواعد، فوج، کیمپ
عزّتیں، خوشیاں، اُمیدیں، احتیاطیں، اعتبار

پیش رو شاہی تھی، پھر ہز ہائی نس، پھر اہلِ جاہ
بعد اُس کے شیخ صاحب، اُن کے پیچھے خاکسار

قطعہ

کیا جانیے؟ سیّد تھے حق آگاہ کہاں تک؟
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک؟

منطق بھی تو اک چیز ہے، اے قبلہ و کعبہ!
دے سکتی ہے کام آپ کی واللہ کہاں تک؟

افلاک تو اِس عہد میں ثابت ہُوئے معدوم
اب کیا کہوں، جاتی ہے مری آہ کہاں تک؟

کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجّہ
آخر یہ گورمنٹ سے تنخواہ کہاں تک؟

مرنا بھی ضروری ہے، خدا بھی ہے کوئی چیز
اے حرص کے بندو! ہوسِ جاہ کہاں تک؟

تحسین کے لائق ترا ہر شعر ہے اکبر!
احباب کریں بزم میں اب واہ کہاں تک؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوئی کہتا ہے، رکھو صاحب سے میل — کہ آنرز کی گھر میں رہے ریل پیل
کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے — مری انجمن بھی اُسی رُخ چلے
کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ — عوض لٹھ کے، آپس میں چلتے ہیں ووٹ
کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس — کوئی شہدِ اسپیچ کی ہے مگس
کوئی شوقِ تحقیق میں غرق ہے — کوئی راہِ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضموں نگاری کی دُھن — کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق — کسی کو نمود و نمائش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں — سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں
بدھر بحرِ ہستی بہائے، بہیں — خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات — مسلماں کو ہے فرض اُدھر التفات

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

قطعہ

ڈیلی گیٹوں نے جو شملے میں بہم کی ہے صلاح — بعد عمدہ کھانے کے، ایسی ڈکاریں ہیں مباح
سنٹرل بھی ہو کمیٹی، اور پراونشل بھی ہو — حامیِ پبلک بھی ہو، رُخ جانبِ کونسل بھی ہو
بابوؤں کی طرح لیکن غل سے کچھ مطلب نہ ہو — کردیں بس توضیح، جزو وکل سے کچھ مطلب نہ ہو
ولولے ایسے، نہیں محتاج کچھ تصریح کے — کیوں نہ ہو؟ دانے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے
گُندھ کے اب، قومی گلے کا ہار ہو جائیں گے یہ — پالسی کے طرۂ دستار ہو جائیں گے یہ
بحثِ ملکی میں تو پڑنا ہے نری دیوانگی — پالسی اُن کی رہے قائم، ہماری دل لگی

ہم یہ کہتے ہیں، کرو جو استخارہ راہ دے
تم فقط پُتلے بنا سکتے ہو، جان اللہ دے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرور جہان آبادی ۔ دُرگا سہائے

دسمبر ۱۸۷۳ء — ۳۰ دسمبر ۱۹۱۰ء

بے ثباتیِ دُنیا

جگر کے داغوں نے کی ہے چمن کی تیاری — کہو کہ دیدۂ تر جوئے خوں کرے جاری
کہاں کو جانا ہے پہلو سے قافلہ دِل کا؟ — سفر کی، کی ہے جو اشکوں نے مِل کے تیاری
نہال، سینچ کے پودوں کو باغباں کیا ہو؟ — ریاضِ دہر میں نہریں قضا کی ہیں جاری
کیے ہیں بال پریشاں جو رُخ پہ سُنبل نے — یہ کِس کی؟ کرتا ہے سرپیٹ کر عزاداری
چمن میں نرگسِ شہلا نے مونڈ لی یوں آنکھ — ہو جس طرح کسی بیمار پر غشی طاری
وہ سبز رنگ ہوئے مِل کے خاک میں پامال — کہ جن کی گھات میں تھا یہ سپہرِ زنگاری
زمیں نے نور کے پُتلے چھپا لیے کیا کیا؟ — کہ سو رہے ہیں لحد میں بُتانِ فرخاری
جہاں میں ایک بھی یوسف لقا نہیں ملتا — کدھر گئی؟ وہ حسینوں کی گرم بازاری
زمانہ صید تھا جن کے خدنگِ غمزہ سے — ہوئے شکارِ اجل وہ غزالِ تاتاری
ہوا نہ دستِ قضا سے کوئی حسیں جاں بر — کہ آئی دِل میں، وہ آنکھوں میں تھی جو بیماری
وہ مہ جمال، جو بالائے بام سوتے تھے — اب اُن پہ خوابِ اجل زیرِ خاک ہے طاری
فلک نے محوِ تحیّر کیا حسینوں کو — کہ زیرِ خاک نہیں شوقِ آئینہ داری
بنا کے نقش، فلک نے مٹا دیے، لاکھوں — عجب طرح کا ہے کچھ یہ طلسمِ زنگاری
عدم سے مرگ کا سودا چکانے آئے ہیں — سرا میں ٹھہرے ہوئے کچھ جو ہیں یہ بیوپاری
ٹھہرنے دیتی ہے گردش کسے زمانے کی — ہزار قیدِ علائق کی ہو گراں باری
کہاں سے آئے ہیں ہم؟ اور کہاں کو جاتے ہیں — رہی نہ غفلتِ دُنیا میں اتنی خودداری
رہا نہ کچھ زن و فرزند و مال و زر کا خیال — قضا کے آتے ہی نیند ایسی ہو گئی طاری
کرے نہ عمرِ دو روزہ پہ سرکشی، کہہ دو — کہ خاک کا ہے یہ پُتلا، بشر نہیں ناری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اجل کمیں میں، زمانہ عدو، فلک دشمن
کرے مقابلہ کس کس کا؟ جان بے چاری

زمانہ آنکھ جھپکتے ہی ہو گیا تاریک
وہ شب کا خواب ہُوا، دِن کی تھی جو بیداری

لباسِ عمر اُدھر جسمِ شہ پہ چاک ہُوا
بندھا جو سر پہ اُدھر طرّۂ جہاں داری

قضا کے جال میں، شاہینِ جاں پھڑکتا ہے
نہیں ہے دامِ علائق کی یہ گرفتاری

گڑھے میں گور کے، جاگیر دار سوئے ہیں
فلک نے چھین لیا منصبِ جہان داری

کہو! کہ دارِ مکافات ہے یہ گھر، اِس میں
روا کسی کی نہ رکھے کوئی دِل آزاری

یہی ہے راہِ فنا، جس میں روز و شب، غافل!
نفس کی آمد و شُد کا ہے قافلہ جاری

یہ کہہ دو شمع سے، سونے دے سونے والوں کو
کرے نہ گورِ غریباں پہ گریہ و زاری

سُنا ہے قافلے لُٹتے ہیں راہِ ہستی میں
مُسافروں کو ہے لازم یہاں خبرداری

بہت غریب لُٹے، شاہ راہِ ہستی میں
سُنی اجل نے کسی کی نہ گریہ و زاری

دیا نہ اُن کو کفن، پیر زالِ دُنیا نے
قبائے زر تھی کبھی جن کے دوش پر بھاری

کفن کو یاد کیا رو کے بزمِ ماتم میں
کسی کے غم میں اگر اشک ہو گئے جاری

قرار اِس میں کہاں؟ ساکنانِ عالم کو
کہ گھومتا ہے ہمیشہ یہ چرخِ دوّاری

کہاں وہ مسندِ جم ہے؟ کہاں وہ بزمِ نشاط؟
کہاں ہے قصرِ فریدوں کی اب وہ تیاری

پتا نہیں ہے، کہ رستم کی ہڈیاں ہیں کدھر؟
رہی نہ سام و نریماں کی کبر و خودداری

کہاں ہے خسرو و بہمن کی بارگاہِ رفیع؟
کہاں قباد کی، ہوشنگ کی جہانداری

اُڑا کے تختِ سلیماں کو لے گئے دم میں
قضا کے جھونکوں میں تھی کتنی تیز رفتاری؟

لگائے دِل نہ کوئی پیر زالِ دُنیا سے
کہ اِس عجوزہ نے یاروں سے کی ہے کب یاری؟

تمام عمر رہا سامنا قضا کا سرور!
گئی نہ وہ، جو کلیجے پہ چوٹ تھی بھاری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یادِ طفلی

کدھر گیا ؟ آہ ! میرا بچپن ، نجات تھی جب غمِ جہاں سے
نہ دِل تھا حسرت کشِ تمنّا ، نہ تھی زباں آشنا فغاں سے
کہاں گئی وہ بہارِ طفلی ؟ کدھر گئے وہ نشاط کے دن ؟
گلاب کا سایہ میرا چہرہ ، نہ زرد تھا جب غمِ خزاں سے
کبھی تھا کوئل کا ہم نوا میں ، کبھی تھا میں ہم سرودِ قمری
چمن میں کرتا تھا چھیڑ پہروں میں جا کے مُرغانِ خوش نوا سے
میں دِل میں خوش تھا ، کہ گا رہی ہے مری محبت کا یہ ترانہ
کھُلا نہ تھا رازِ عشقِ گُل کا جو مجھ کو بُلبُل کی داستاں سے
بہُت دِنوں ہم صفیر تیرا رہا ہوں بچپن کی صحبتوں میں
ہزار نغمے سُنا کیا ہوں میں او پپیہے ! تری زباں سے
کبھی شگوفوں کو چومتا تھا ، کبھی تھا کلیوں کو پیار کرتا
نثار میں بھی تھا ، آہ بُلبُل ! ادائے گُل پر ہزار جاں سے
بہائیں کاغذ کی میں نے ناویں ، بہُت لبِ جُو بنا بنا کر
برس گئی کوئی ٹھنڈی ٹھنڈی جھڑی جو ساون کی آسماں سے
پھسل کے سبزے پہ ، تیرے پیچھے میں قوس ! دَوڑا کیا ہوں اکثر
کہ جیسے چھوٹے خدنگِ خارا شگاف کوئی کڑی کماں سے
کبھی تمنّا کہ چاند کو میں گھر اپنے لاؤں بنا کے مہماں
کبھی یہ حسرت ، کہ توڑ لاؤں میں جا کے تارے کو آسماں سے
وہ شوق افزا عجب تھیں راتیں ، میں جب اُچکتا تھا توڑنے کو
اگرچہ اونچے بہت ستارے تھے دست و بازُوئے ناتواں سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کبھی جو آئینے میں یکایک ، نظر پڑی مجھ کو اپنی صورت
رہا ہوں پہروں میں محوِ حیرت کہ پیاری شکل آئی یہ کہاں سے
لبوں پہ بچپن کی کیا نہ آئے گی اب وہ معصوم مسکراہٹ ؟
ادھورے الفاظ اے جوانی ! وہ کیا نہ نکلیں گے اب زباں سے ؟
نسیم دینے کو مجھ کو لوری نہ شامِ فرقت میں آئے گی کیا ؟
جگر کے ٹکڑے اُڑیں گے کب تک ہوا میں آہِ شرر فشاں سے ؟
بتوں کے تیرِ نظر کا زخمی نہ تھا ، خوشا روزگارِ طفلی !
نہ لاگ شہ رگ کو نیشتر سے ، نہ چھیڑ پہلو کو تھی سِناں سے
نہ دِل کو فکرِ معاش کا غم ، نہ مرگِ احباب کا تھا ماتم
لہو کے آنسو کبھی نہ راتوں کو تھے رواں چشمِ خوں فشاں سے
نہ تھی گراں باریِ مشاغل ، نہ تھی یہ پابندیِ علائق
اسیرِ زنجیرِ غم نہ تھا میں ، نجات تھی شورشِ جہاں سے
مرا ہنڈولا تھا عرشِ اعظم ، مرے کھلونے تھے چاند سورج
اتار لاتا تھا جا کے تارے زمیں پہ راتوں کو آسماں سے
مرا گھروندا تھا میرا آنگن ، اُسی میں مہماں تھا میرا بچپن
تجھے بُلایا تھا کس نے ظالم شباب ! تو آگیا کہاں سے ؟
رہے جو تو اے شباب مہماں بہ ایں غم و رنج و یاس و حرماں
نہیں ہے یہ بھی مجھے توقّع طلسمِ نیرنگِ آسماں سے
ابھی ہے تیرا فشار باقی ، ابھی بُڑھاپا ہے آنے والا
فلک کو لینا ابھی ہیں بدلے بہت سے اِک جزوِ ناتواں سے
ہزار جھگڑے ہیں زندگی کے ، ہزار دُنیا کے ہیں بکھیڑے
سرور ! صدمے اُٹھیں تو کیوں کر اُٹھیں یہ اِک مُشتِ ناتواں سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گنگا

اے آبِ رودِ گنگا ! اُف ری تری صفائی
یہ تیرا حُسنِ دِل کش ، یہ طرزِ دِل رُبائی

تیری تجلّیاں ہیں جلوہ فروشِ معنی
تنویر میں ہے تیری اِک شانِ کبریائی

جمنا تری سہیلی ، گو ساتھ کی ہے کھیلی
اُس میں مگر کہاں ہے تیری سی وہ صفائی ؟

بے لوث تیرا دامن ہے داغِ معصیت سے
موزوں ہے تیرے قد پر ملبوسِ پارسائی

حُسنِ ازل کی گویا تو اِک سُگھڑ ہے مورت
صانع نے تیری صورت کیا موہنی بنائی

اے نازشِ زمانہ ! اے نقشِ نازِ عفّت !
بھارت کی پاک دیوی ! تو ہے ہماری مائی

دِل بند ہم ہیں تیرے ، لختِ جگر ہیں تیرے
نخلِ مُراد ہے تو ، اور ہم ثمر ہیں تیرے

او پاک نازنیں ! او پھولوں کے گہنے والی!
سرسبز وادیوں کے دامن میں بہنے والی!

او ناز آفریں ! او صدق و صفا کی دیوی!
او عفّتِ مُجسّم ! پربت کی رہنے والی!

'صلِّ علیٰ' یہ تیری موجوں کا گنگنانا
وحدت کا یہ ترانہ ، او چپ نہ رہنے والی!

حُسنِ غیور تیرا ، ہے بے نیازِ ہستی
تو بحرِ معرفت ہے او پاک بازِ ہستی!

ہاں ، تجھ کو جستجو ہے کس بحرِ معرفت کی ؟
ہم پر تو کچھ حقیقت کھلتی نہیں جہاں کی

اے پردہ سوزِ امکاں ! اے جلوہ ریزِ عرفاں !
تو شمعِ انجمن ہے کس بزمِ دِل ستاں کی ؟

کیوں جادۂ طلب میں پھرتی کشاں کشاں ہے ؟
تجھ کو تلاش ہے کس گم گشتہ کارواں کی ؟

جاتی ہے تو کہاں کو ؟ آتی ہے تو کہاں سے ؟
دِل بستگی ہے تجھ کو کس بحرِ بے نشاں سے ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آئی نظر تجلّی جب شاہدِ ازل کی
ذرّوں میں جاکے چمکی، پھولوں میں جاکے مہکی
ہندوستان ہے اک دریائے حُسنِ فطرت
اور اُس میں پنکھڑی ہے تو خوش نما کنول کی
نکلی ہمالیہ سے محوِ خروش ہو کر
تو آہ! تشنہ لب تھی اُس جلوہ ازل کی

کرتی ہوئی زمیں پر موتی نثار آئی
درشن کو اپنے ہر کے تو ہردوار آئی

یہ جوشِ سبزہ و گل، یہ تیری آبیاری
قدرت کے چپّہ چپّہ پر یہ شگوفہ کاری
ہندوستاں کو تو نے جنّت نشاں بنایا
نہریں کہاں کہاں ہیں تیرے کرم کی جاری
اے آبِ رودِ گنگا! موجوں میں تیری مل کر
موجِ سرابِ ہستی ہو بے نشاں ہماری

بعدِ فنا، ہمارے پھولوں میں بو ہو تیری
گم ہوں رہِ طلب میں، اور جستجو ہو تیری

مینو سواد تجھ سے ہیں وادیاں ہماری
اور کشتِ آرزو ہو رشکِ جناں ہماری
وہ دِن بھی ہوگا، ہوں گے جب ہم غریقِ رحمت
اور تیری نذر ہوں گی یہ ہڈّیاں ہماری
گنگا میں پھینک آنا بعدِ فنا اُٹھا کر
برباد ہو نہ مٹّی اے آسماں! ہماری

یارب! نہ دفن کر کے احباب بھول جائیں
لے کر ہمارے خوش خوش گنگا کو پھول جائیں

آئے اجل کی زد پر جب اپنی عمرِ فانی
اور ختم رفتہ رفتہ ہو سیلِ زندگانی
دُنیا سے آہ! جب ہو اپنے سفر کا ساماں
بالیں پہ اقربا ہوں سرگرم نوحہ خوانی
جب ہونٹ خشک ہوں اور دُشوار ہو تنفّس
احباب اپنے مُنھ میں ٹپکائیں تیرا پانی

ہنستے ہوئے جہاں سے ہم شادکام جائیں
دُنیا سے پی کے تیری اُلفت کا جام جائیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مادرِ وطن

واہ! یہ جاں بخش پانی، یہ ہوائے خوش گوار
یہ تر و شاداب و شیریں میوہ ہائے خوش گوار
ٹھنڈی ٹھنڈی عطر میں ڈوبی ہوئی بادِ جنوب
سبز کھیتوں کی ہوائیں اور یہ میدانوں کی دوب
ظلِ شفقت ہو ترا اے مادرِ مشفق! دراز
خاک پر کیا کیا تری، تیرے مکینوں کو ہے ناز

اُف یہ تیری چاندنی راتوں کے منظر خوش نما
واہ یہ اشجار، یہ پھولوں کے زیور خوش نما
سو تبسّم تیرے اندازِ تکلّم پر نثار
دل کو کرتی ہیں تری دل کش صدائیں بے قرار
سرزمینِ عیش ہے اے مادرِ دل سوز! تو
آرزوؤں کی ہے بزمِ انبساط افروز تو

تو جوانوں کی ہے ہمّت، تو دلیروں کی سپر
کانپتے ہیں دشمنوں کے تیری ہیبت سے جگر
نورِ دانش تو، فروغِ جلوۂ ایماں ہے تو
دل ہے تو، سرمایۂ صبر و شکیبِ جاں ہے تو
قوّتِ بازو ہے میری، مادرِ غم خوار! تو
سینۂ پُرغم میں میرے ہے نفس کا تار تو

تیرا دیواستھان دیوی! دل کے کاشانے میں ہے
تیری تصویرِ مقدّس ہر صنم خانے میں ہے
لکشمی ہے تو، زمانے میں اُجالا ہے ترا
ہر کنول کا پھول، پانی میں شوالا ہے ترا
سرسوتی کا روپ ہے، دُرگا ہے اَوتار تو
نطق و دانش کی ہے دیوی مادرِ غم خوار! تو
واہ یہ سُندر چھب تری، یہ سانولی صورت تری
دل کے مندر کی ہے زینت موہنی مورت تری

یہ تبسّم ہائے شیریں، یہ ادائے دل نواز
واہ! یہ شفقت بھری تیری صدائے دل نواز
سبزۂ خودرَو کا گہوارہ ہے تیری سرزمیں
تختۂ خُلدِ بریں ہے تیری خوش منظر زمیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پاک گنگا جل سے بڑھ کر ہے ترا آبِ طہور　　　تیرے پاکیزہ ثمر ہیں میوۂ شاخِ سرور
آسماں کے نور کی ہے جلوہ گاہِ ناز تو
خُلد کی ہے پاک دیوی، مادرِ دم ساز! تو

دلِ بے قرار! سوجا

کسی مستِ ناز کا ہے عبث انتظار، سوجا!
کہ گزر گئی شب آدھی، دلِ بے قرار، سوجا!
یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی، یہ ہوا کے مست جھونکے
تجھے دے رہے ہیں لوری، مرے غم گسار! سوجا!
یہ تری صدائے نالہ مجھے متہم نہ کر دے
مرے پردہ دار، سوجا! مرے راز دار، سوجا!
ابھی دھان پان ہے تو، نہیں عاشقی کے قابل
یہ تپش کا آہ شیوہ نہ کر اختیار، سوجا!
مجھے خوں رلا رہا ہے ترا دم بہ دم تڑپنا
ترے غم میں آہ! کب سے ہوں میں اشک بار، سوجا!
نہ تڑپ زمیں پہ ظالم! تجھے گود میں اٹھا لوں
تجھے سینے سے لگا لوں، تجھے کر لوں پیار، سوجا!
تجھے جن کا ہے تصوّر، ارے مستِ جامِ اُلفت!
انھیں انکھڑیوں کے صدقے، مرے بادہ خوار، سوجا!
تجھے پہلا سابقہ ہے، شبِ غم بری بلا ہے
کہیں مر مٹے نہ ظالم! دلِ بے قرار، سوجا!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فضائے برشگال

اُٹھا وہ جھوم کے ساقی! چمن میں ابرِ بہار
چٹک رہے ہیں شگوفے، برس رہی ہے پھوار

سہی قدوں کا ہے جمگھٹ کنارِ آبِ رواں
کہ بُرج میں، لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار

ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قُمری
کہ جیسے گاتی ہو مدھ بن میں کوئی سُندر نار

کلی کلی نے نکالا ہے روپ یوں، جیسے
کسی کے سینے پہ کم کم شباب کا ہو اُبھار

حنائی پنجہ ہے یوں شاخ شاخِ لالہ و گُل
نئی دُلھن کی ہوں جیسے ہتھیلیاں گلنار

ہے موتیوں کی لڑی، یا قطار بگلوں کی
ہوا میں اُڑتے ہیں جگنو، کہ چھوٹتے ہیں شرار

عجب نشاط ہے بادہ کشو! چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا چمن میں ابرِ بہار

پلا شراب، کہ ہیں مُغتنم یہ دن ساقی!
کہاں یہ سبزہ و گُل، پھر کہاں یہ صحبتِ یار

بہار آئی، شگفتہ ہوئے گُلِ پنجاب!
چہک چہک! کہ بہار آئی، بُلبُلِ پنجاب!

ترانہ لبِ شیریں نوا کے دن آئے
غزل سرا ہو، کہ تیری صدا کے دن آئے

عروسِ نظم نے کاجل لگایا آنکھوں میں
فسونِ عشوہ و ناز و ادا کے دن آئے

اِدھر بھی کوئی ایاغِ مئے سُخن ساقی!
اُٹھے وہ جھوم کے بادل، گھٹا کے دن آئے

شباب جوش پہ آیا پری جمالوں کا
بڑھی نگاہ میں تمکیں، حیا کے دن آئے

بُتوں نے ہاتھ میں مہندی لگائی ساون کی
شہید چونک اُٹھے، خوں بہا کے دن آئے

نسیم چوم کے کہتی ہے مُنھ شگوفوں کا
مئے نشاطِ تبسّم فزا کے دن آئے

چلو شراب کی بوتل کوئی بھرا لائیں
سرور! دعوتِ آب و ہوا کے دن آئے

ترانہ سنج ہو اے بُلبُلِ ریاضِ سُخن
کہاں ہے تو؟ کہ چمن میں فضا کے دن آئے

ترے بغیر ہیں مُرغانِ نغمہ زن خاموش
ترے بغیر ہے یاروں کی انجمن خاموش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیر بہوٹی

واہ ! او ننھے سے کیڑے ! نازشِ صحرا ہے تو
دشت میں اک سُرخ چھوٹا سا گلِ رعنا ہے تو

صفحۂ ہستی پہ اک نقشِ تحیّر زا ہے تو
شُعلہ زارِ حُسن کی چھوٹی سی اک دُنیا ہے تو

برقِ عالم سوز کی ننھی سی ہیکل ہے کوئی
آتشِ یاقوت کی ننھی سی منقل ہے کوئی

کچھ عجب عالم ہے تیرے حُسن کے انداز کا
سُرخ ڈورا ہے کسی چشمِ فسوں پرداز کا

قطرۂ مُضطر ہے خونِ کُشتگانِ ناز کا
قلبِ خوں گشتہ ہے مژگاں پر کسی جاں باز کا

یا شفق کا کوئی ٹکڑا ہے زمیں پر جلوہ گر
جامِ زرّیں میں ہے یا صہبائے احمر جلوہ گر

گُل بداماں ہے شفق میں شعلۂ تنویرِ حُسن
خونِ عاشق، یا زمیں پر ہے گریباں گیرِ حُسن

یا عقیقِ سُرخ کی چھوٹی سی ہے تعمیرِ حُسن
نقشِ نیرنگِ فسوں ہے یا کوئی تنویرِ حُسن

جلوۂ گُل ہے فضائے وادیٔ پُرخار میں
سُرخ تکمہ ہے فضائے سبزۂ کہسار میں

محضرِ خونِ شہیداں ہے ترا دامانِ سُرخ
یا ہے خونِ کُشتگانِ عشق کا عُنوانِ سُرخ

یا کسی کے ناوکِ پُرخوں کا ہے پیکانِ سُرخ
رشکِ گُل گوں یا ہے زیبِ پنجۂ مرجانِ سُرخ

رنگ آمیزی ہے قدرت کی تری تصویر میں
اِک دِل آویزی ہے قُدرت کی تری تصویر میں

حُسن میں تیرے ہے اے ناظورۂ ناز آفریں !
فندقِ پائے حسیناں کی ادائے دِل نشیں

جلوۂ رُخ سے ترے گُل گوں ہے دامانِ زمیں
بزمِ صحرا میں تو ہے جامِ شرابِ آتشیں

بادۂ گُل گوں ترے چھوٹے سے پیمانے میں ہے
عالمِ نیرنگِ افسوں تیرے مے خانے میں ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وادیٔ پُر خار میں اک جگرِ سوزاں ہے تو
وادیٔ کہسار میں اک شعلۂ عُریاں ہے تو

کشتِ زارِ حُسن میں اک دانۂ مرجاں ہے تو
یا کسی گُل گوں قبا کا گوشۂ داماں ہے تو

ناز ہے صحرا کو تیری شوخیٔ رفتار پر
دوڑتا ہے خوں کا قطرہ سبزۂ کہسار پر

گُل بہ داماں ہے کوئی دوشیزۂ کم سن مگر
ہلکی پھلکی سُرخ پھولوں کی ہے چادر دوش پر

وقفِ رعنائی ہے یا کوئی عروسِ سیم بر
روئے زیبا پر ہے غازہ، سُرخ جوڑا زیب پر

لوٹتا ہے کوئی بسمل سبزۂ بیگانہ پر
یا مئے گُل گوں کا قطرہ ہے لبِ پیمانہ پر

جلوۂ گُل سے ہے رنگیں روئے زیبائے بہار
نازنیں ہے یا کوئی محوِ تماشائے بہار

یا مئے گُل رنگ سے رنگیں ہے مینائے بہار
یا ہے آغشتہ بہ خوں داغِ سُویدائے بہار

سبزۂ کہسار نے یا لعل ہے اُگلا کوئی
چُن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی

پدمنی

عندلیبوں کو ملی آہ و بُکا کی تعلیم
اور پروانوں کو دی سوزِ وفا کی تعلیم

جب ہر اک چیز کو قُدرت نے عطا کی تعلیم
آئی حصّے میں ترے ذوقِ فنا کی تعلیم

نرم و نازک تجھے اعضا دیے جلنے کے لیے
دِل دیا آگ کے شُعلوں پہ پگھلنے کے لیے

رنگ تصویر کے پردے میں جو جھلکا تیرا
خود بہ خود لوٹ گیا جلوۂ رعنا تیرا

ڈھال کر کالبدِ نور میں پُتلا تیرا
پھر قُدرت نے بنایا جو سراپا تیرا

بھر دیا کوٹ کے سوزِ غمِ شوہر دِل میں
رکھ دیا چیر کے اک شُعلۂ مضطر دِل میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو وہ شمع تھی کہ پروانہ بنایا تجھ کو — تو وہ لیلیٰ تھی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو
رونقِ خلوت شاہانہ بنایا تجھ کو — نازشِ ہمّتِ مردانہ بنایا تجھ کو
ناز آیا ترے حصّے میں، ادا بھی آئی
جاں فروشی بھی، محبّت بھی، حیا بھی آئی

آئی دنیا میں جو تو حُسن میں یکتا بن کر — چمنِ دہر میں پھولی گُلِ رعنا بن کر
رہی ماں باپ کی آنکھوں میں جو تارا بن کر — دلِ شوہر میں رہی خالِ سُویدا بن کر
حُسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھّا
کہ قدم جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھّا

تیری فطرت میں مُروّت بھی تھی، غم خواری بھی — تیری صورت میں ادا بھی تھی، طرح داری بھی
جلوۂ حُسن میں شامل تھی نکوکاری بھی — درد آیا ترے حصّے میں، تو خودداری بھی
آگ پر بھی نہ تجھے آہ! مچلتے دیکھا
تپشِ حُسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا

تو وہ عصمت کی تھی آئینۂ سیما تصویر — حُسنِ سیرت سے تھی تیری مُتجلّا تصویر
لاکھ تصویروں سے تھی اِک تری زیبا تصویر — تجھ کو قُدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر
نور ہی نور ترے جلوۂ مستور میں تھا
انجمِ ناز کا جھُرمُٹ رُخِ پُرنور میں تھا

لب میں اعجاز، حیا چشمِ فسوں ساز میں تھی — کہ قیامت کی ادا تیرے ہر انداز میں تھی
شکل پھرتی جو تری دیدۂ غمّاز میں تھی — برق بیتاب تری جلوہ گہِ ناز میں تھی
یہ وہ بجلی تھی، قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شُعلۂ نارِ عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

آہ، او عشوہ و انداز و ادا کی دیوی! — آہ، او ہند کے ناموسِ وفا کی دیوی!
آہ، او پرتوِ انوارِ صفا کی دیوی! — او زیارت کدۂ شرم و حیا کی دیوی!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ اب تک
تیری عفت کا زباں پر ہے فسانہ اب تک

آفریں ہے تری جاں بازی و ہمت کے لیے
آفریں ہے تری عفت، تری عصمت کے لیے

کیا مٹائے گا زمانہ تری شہرت کے لیے
کہ چلی آتی ہے اک خلق زیارت کے لیے

نقش اب تک تری عظمت کا ہے بیٹھا دل میں
تو وہ دیوی ہے، ترا لگتا ہے میلا دل میں

عروسِ حبِّ وطن

آ اے عروسِ حبِّ وطن! میرے بر میں تو
آنکھیں تری تلاش میں ہیں محوِ جستجو

آ اے نگار! تجھ کو گلے سے لگاؤں میں
آ مجھ سے، ہم کنار ہو اے شوخِ خوب رو!

وہ دن خدا کرے کہ مناؤں شبِ وصال
گردن ہو تیری اور مرے دستِ آرزو

زانو ہو تیرا اور سرِ شوریدہ ہو مرا
میرا مشامِ جاں ہو، تری زلفِ مشک بو

تیری شرابِ عشق کا آنکھوں میں ہو سرور
خلوت میں ہو نہ ذکرِ مے و شیشہ و سبو

لپٹوں جو بے خودی میں میں تجھ سے شبِ وصال
باہیں ترے گلے میں ہوں، لب پر یہ گفتگو

ٹوٹیں وہ پانو، جن کو نہ تیری تلاش ہو
پھوٹے وہ آنکھ، جس کو نہ ہو تیری جستجو

وہ گھر ہو بے چراغ، جہاں تیری ضو نہ ہو
وہ دل ہو داغ، جس میں نہ ہو تیری آرزو

دنیا و آخرت میں نہ انجام ہو بخیر
تیرے سوا جو غیر کی ہو مجھ کو جستجو

حوروں پہ میں مروں تو جہنم نصیب ہو
کافر ہوں میں، جو مجھ کو بتوں کی ہو آرزو

ناقوس اور اذاں میں نہیں قیدِ کفر و دیں
اس کے لیے، کہ جس کا پرستش کدہ ہے تو

گنگا نہائے شیخ اگر تیرا اذن ہو
تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو

تیرا طریقِ عشق ہی ایمان ہے مرا
تیرے فدائیوں میں ہوں اے شوخِ خوب رو

جلوہ نہ ہو کسی بتِ رعنا کا سامنے
وہ دن خدا کرے کہ ہو آنکھوں میں تو ہی تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رامائن کا ایک سین

رُخصت ہوا وہ باپ سے لے کر خُدا کا نام
راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام
دامن سے اشک پونچھ کے دل سے کیا کلام
اظہارِ بے کسی سے سِتم ہوگا اور بھی
دیکھا ہمیں اُداس تو غم ہوگا اور بھی

دِل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ نونہال
خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال
سکتہ سا ہوگیا ہے، یہ ہے شِدّتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں، زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں، کوئی تصویرِ سنگ ہے

کیا جانے کس خیال میں گُم تھی وہ بے گناہ
نورِ نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جُنبِش ہوئی لبوں کو، بھری ایک سرد آہ
لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رُخ کی راہ
چہرے کا رنگ حالتِ دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

آخر، اسیرِ یاس کا قُفلِ دہن کھُلا
افسانۂ شدائدِ رنج و محن کھُلا
اِک دفترِ مظالمِ چرخِ کُہن کھُلا
وا تھا دہانِ زخم، کہ بابِ سُخن کھُلا
دردِ دلِ غریب جو صرفِ بیاں ہُوا
خونِ جگر کا رنگ سُخن سے عیاں ہُوا

رو کر کہا، خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں ؟
میں جانتی ہوں، کس لیے آئے ہو تُم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے مُنھ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کس طرح بن میں آنکھ کے تارے کو بھیج دوں؟
جوگی بنا کے راج دُلارے کو بھیج دوں؟

دُنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سفید؟ اندھا کیے ہوئے ہے زر و مال کی اُمید
انجام کیا ہو؟ کوئی نہیں جانتا یہ بھید سوچے بشر، تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید
رکھی ہے کیا حیاتِ ابد اِن کے واسطے؟
پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے؟

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم تُم میرے لال، تھے مجھے کس سلطنت سے کم
مَیں خوش ہوں، پھونک دے کوئی اِس تخت و تاج کو
تُم ہی نہیں، تو آگ لگاؤں گی راج کو

کن کن ریاضتوں سے گزارے ہیں ماہ و سال دیکھی تمھاری شکل جب اے میرے نونہال!
پورا ہوا جو بیاہ کا ارمان تھا کمال آفت یہ آئی مجھ پہ، ہوئے جب سفید بال۔
چھُٹتی ہوں اُن سے، جوگ لیا جن کے واسطے
کیا سب کیا تھا مَیں نے اِسی دن کے واسطے؟

ایسے بھی نامُراد بہت آئیں گے نظر گھر جن کے بے چراغ رہے آہ! عُمر بھر
رہتا مرا بھی نخلِ تمنّا جو بے ثمر یہ جائے صبر تھی، کہ دُعا میں نہیں اثر
لیکن یہاں تو بن کے مُقدّر بگڑ گیا
پھل پھول لا کے باغِ تمنّا اُجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خُدا جانے کیا گُناہ منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پناہ
تقصیر میری، خالقِ عالم بحل کرے
آسان مجھ غریب کی مُشکل اجل کرے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سُن کر زباں سے ماں کی یہ فریادِ درد خیز — اُس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب، کہ آنکھیں ہوں اشک ریز — لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گُریز
سوچا یہی، کہ جان سے بے کس گزر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کر ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور — مایوس کیوں ہیں آپ؟ الم کا ہے کیوں وفور؟
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور — لیکن نہ دِل سے کیجیے صبر و قرار دُور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اِسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل، یہ فریب، یہ سازش، یہ شور و شر — ہونا جو ہے، سب اُس کے بہانے ہیں سر بسر
اسبابِ ظاہری ہیں، نہ اِن پر کرو نظر — کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اُس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے؟ کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج، خوشی ہو کہ اِنتشار — واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکرِ کردگار
تُم ہی نہیں ہو کُشتۂ نیرنگِ روزگار — ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں، کہ اُٹھائی کڑی نہیں
دُنیا میں کیا کسی پہ مُصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اِس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب — جِن سے کہ بے گُناہوں کی عُمریں ہوئیں خراب
سوزِ دروں سے قلب و جِگر ہو گئے کباب — پیری مِٹی کِسی کی، کِسی کا مِٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا، جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گِریں، کہ بھرے گھر اُجڑ گئے

ماں باپ مُنھ ہی دیکھتے تھے جِن کا ہر گھڑی — قائم تھیں جِن کے دم سے اُمیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جِن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی — ماری نہ جِن کو خواب میں بھی پھُول کی چھڑی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محروم جب وہ گُل ہوے رنگِ حیات سے
اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال — اِن بے کسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان، گزرتے ہی ماہ وسال — خود دِل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال

ہاں کچھ دِنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے، اور کیا کیا ؟

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار — کرتا ہے اُس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہ گار — یہ جانتے نہیں، وہ ہے دانائے روزگار

انسان اُس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے، امرِ رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام — بعدِ سفر وطن میں ہم آئیں گے شادکام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام — قائم اُمید ہی سے ہے، دنیا ہے جس کا نام

اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں، کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں — ہے دِن کی دھوپ، رات کی شبنم اُنھیں گراں
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں — وہ گُل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائگاں

رکھتے ہیں جو عزیز اُنھیں اپنی جاں کی طرح
ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار — موقوف کچھ ریاض پہ اُن کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار — وہ ابر و باد و برف میں رہتے ہیں برقرار

ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربِّ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر — صحرا چمن بنے گا، وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ، سفر ہو کہ ہو حضر — رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بے خبر

اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت، دامنِ مادر سے کم نہیں

ماں کا جواب

یہ گفتگو ذرا نہ ہوئی ماں پہ کارگر — ہنس کر وفورِ یاس سے لڑکے پہ کی نظر
چہرہ پہ یوں ہنسی کا نمایاں ہوا اثر — جس طرح چاندنی کا ہو شمشان میں گزر

پنہاں جو بے کسی تھی، وہ چہرے پہ چھا گئی
جو دل کی مُردنی تھی، نگاہوں میں آ گئی

پھر یہ کہا کہ میں نے سُنی سب یہ داستان — لاکھوں برس کی عُمر ہو، دیتے ہو ماں کو گیان
لیکن جو میرے دل کو ہے درپیش اِمتحان — بچے ہو، اُس کا علم نہیں تُم کو بے گمان

اُس درد کا شریک تمہارا جگر نہیں
کچھ مامتا کی آنچ کی تم کو خبر نہیں

آخر ہے عُمر، ہے یہ مرادقتِ واپسیں — کیا اِعتبار، آج ہوں دُنیا میں، کل نہیں
لیکن وہ دِن بھی آئے گا، اِس دِل کو ہے یقیں — سوچوگے جب، کہ روتی تھی کیوں مادرِ حزیں

اولاد جب کبھی تمھیں صورت دِکھائے گی
فریاد اِس غریب کی تب یاد آئے گی

اِن آنسوؤں کی قدر تمھیں کچھ ابھی نہیں — باتوں سے جو بجھے، یہ وہ دِل کی لگی نہیں
لیکن تمھیں ہو رنج، یہ میری خوشی نہیں — جاؤ، سدھارو، خوش رہو، میں روکتی نہیں

دُنیا میں بے حیائی سے زِندہ رہوں گی میں
پالا ہے میں نے تم کو، تو دُکھ بھی سہوں گی میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نشتر تھے رام کے لیے یہ حرفِ آرزو   دِل ہِل گیا، سرکنے لگا جسم سے لہو
سمجھے جو ماں کے دین کو ایمان و آبرو   سُننی پڑے اُسے یہ خجالت کی گفتگو

کچھ بھی جواب بن نہ پڑا فکر و غور سے
قدموں پہ ماں کے گر پڑا آنسو کے طور سے

طوفان آنسوؤں کا زباں سے ہُوا نہ بند   رُک رُک کے اِس طرح ہُوا گویا وہ دردمند
پہنچی ہے مجھ سے آپ کے دِل کو اگر گزند   مرنا مجھے قبول ہے، جینا نہیں پسند

جو بے وفا ہے مادرِ ناشاد کے لیے
دوزخ یہ زِندگی ہے اُس اولاد کے لیے

ہے دُور اِس غلام سے خود رائی کا خیال   ایسا گمان بھی ہو، یہ میری نہیں مجال
گر سَو برس بھی عُمر کو میری نہ ہو زوال   جو دین آپ کا ہے، ادا ہو، یہ ہے محال

جاتا کہیں نہ چھوڑ کے قدموں کو آپ کے
مجبور کر دیا مجھے وعدہ نے باپ کے

آرام زِندگی کا دِکھاتا ہے سبز باغ   لیکن بہارِ عیش کا مجھ کو نہیں دِماغ
کہتے ہیں جِس کو دھرم، وہ دُنیا کا ہے چراغ   ہٹ جاؤں اِس روش سے، تو کُل میں لگے گا داغ

بے آبرو یہ بنس نہ ہو، یہ ہراس ہے
جِس گود میں پلا ہوں، مجھے اُس کا پاس ہے

بن باس پر خوشی سے جو راضی نہ ہوں گا میں   کِس طرح منہ دِکھانے کے قابِل رہوں گا میں؟
کیوں کر زبانِ غیر کے طعنے سُنوں گا میں؟   دُنیا جو یہ کہے گی، تو پھر کیا کہوں گا میں؟

” لڑکے نے بے حیائی کو نقشِ جبیں کیا
کیا بے ادب تھا، باپ کا کہنا نہیں کیا“

تاثیر کا طِلسم تھا معصوم کا خطاب   خود ماں کے دِل کو چوٹ لگی سُن کے یہ جواب
غم کی گھٹا سے مِٹ گئی تاریکیِ عتاب   چھاتی بھر آئی، ضبط کی باقی رہی نہ تاب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرکا کے پاؤں، گود میں سر کو اُٹھا لیا
سینہ سے اپنے لختِ جگر کو لگا لیا

دونوں کے دِل بھر آئے، ہُوا اور ہی سماں
گنگ و جمن کی طرح سے آنسو ہوئے رواں
ہر آنکھ کو نصیب یہ اشکِ وفا کہاں؟
اِن آنسوؤں کا مول اگر ہے تو نقدِ جاں
ہوتی ہے اِن کی قدر فقط دل کے راج میں
ایسا گُہر نہ تھا کوئی دسرت کے تاج میں

آوازۂ قوم

یہ خاکِ ہند سے پیدا ہیں جوش کے آثار
ہمالیہ سے اُٹھے جیسے ابر دریا بار
لہو رگوں میں دِکھاتا ہے برق کی رفتار
ہوئی ہیں خاک کے پردے میں ہڈّیاں بیدار
زمیں سے عرش تلک شور ہوم رُول کا ہے
شباب قوم کا ہے، زور ہوم رُول کا ہے

نگاہِ شوق ہے اُس رنگ کی تماشائی
ہے جس سے شیخ و برہمن پہ بے خودی چھائی
ہر ایک گام پہ کرتے ہوئے جبیں سائی
چلے ہیں بہر زیارت وفا کے سودائی
وطن کے عشق کا بُت بے نقاب نکلا ہے
نئے اُفق پہ نیا آفتاب نکلا ہے

یہ آرزو ہے کہ مہر و وفا سے کام رہے
وطن کے باغ میں اپنا ہی انتظام رہے
گُلوں کی فکر میں گُل چیں نہ صُبح و شام رہے
نہ کوئی مُرغِ خوش اِلحاں اسیرِ دام رہے
سریرِ شاہ کا اِقبال، ہو بہارِ چمن
رہے چمن کا مُحافظ، یہ تاج دارِ چمن

ہے آج کل کی ہوا میں وفا کی بربادی
سُنے جو کوئی، تو سارا چمن ہے فریادی
قفس میں بند ہیں، تھے آشیاں کے جو عادی
اُڑا ہے باغ سے بُو ہو کے، رنگِ آزادی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوائے شوق میں غنچے بکس نہیں سکتے
ہمارے پھول بھی چاہیں تو ہنس نہیں سکتے

جو آج کل ہے محبّت وطن کی عالمگیر
یہی گنہ ہے، یہی جُرم ہے، یہی تقصیر
زباں ہے بند، قلم کو پنھائی ہے زنجیر
بیانِ درد کی باقی نہیں کوئی تدبیر

ہے دل میں درد، مگر طاقتِ کلام نہیں
لگے ہیں زخم، تڑپنے کا انتظام نہیں

جو اپنے حال پر یہ بے کسی برستی ہے
یہ نائبانِ حکومت کی خود پرستی ہے
یہاں سے دُور برطانیہ کی بستی ہے
وہاں سُنا ہے محبّت کی جنس سستی ہے

جو اُس پہ حالِ وطن آشکار ہو جائے
یہ دیکھتے رہیں، بیڑا یہ پار ہو جائے

فدائیانِ حکومت نے ہم کو رنج دیے
مگر جو فرضِ وفا تھے، ادا وہ ہم نے کیے
نثار جاں سے ہوئے دابِ سلطنت کے لیے
شرابِ عیش سمجھ کر، لہو کے گھونٹ پیے

ڈگے نہ پانو محبّت کے نوکِ خنجر پر
لہو کی مُہر ہے اپنی وفا کے محضر پر

جو اپنے دِل سے ہے برطانیہ کا دِل راضی
تو کیا کریں گے یہ ہندوستان کے قاضی
نہ کام آئے گی غیروں کی رخنہ اندازی
تمھیں پُکار رہی ہے سخی کی فیّاضی

بچی کھُچی یہ قناعت ہے، یوں نہیں پیتے
پلانے والا پلاتا ہے، کیوں نہیں پیتے؟

رہا ہے رات کی صُحبت میں کیا مزا باقی؟
نگاہِ شوق کو ہے دَورِ نَو کی مُشتاقی
نئی شراب، نیا دَور، اور نیا ساقی
ہے سرُور میں دَیر و حرم کی ناچاقی

یہی کسی کا حرم ہو، کسی کا دَیر رہے
یہ مَے کدہ رہے آباد، خُم کی خیر رہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شرابِ شوق دوا ہے اِس انجمن کے لیے
سُرور اِس کا ہے اکسیر رُوح و تن کے لیے
کھنچی ہے خُلد میں اِس محفلِ کُہن کے لیے
فلک سے اُتری ہے یہ شیخ و برہمن کے لیے

رہے گا دور زمانے میں یادگار اِس کا
یہ ہوم رول کا سودا خُمار ہے اِس کا

اِسی کے مست کہیں ہیں حرم پہ چھائے ہوئے
اذاں کے نعرۂ دل کش کے حظ اُٹھائے ہوئے
کہیں ہے نغمۂ ناقوس دل لُبھائے ہوئے
اِسی فضا میں یہ سب راگ ہیں سمائے ہوئے

یہ حُکم پیرِ مُغاں کا ہے نشّۂ مے میں
یہ راگ آ کے ملیں ہوم رول کی لے میں

رقیب کہتے ہیں رنگِ وطن نہیں یکساں
بنا ہے قوسِ قزح خاکِ ہند کا داماں
جدھر نگاہ اُٹھے، اُس طرف نیا ہے سماں
نہ ایک رنگِ طبیعت، نہ ایک رنگِ زباں

جو ہوم رول پہ یہ چشمِ شوق شیدا ہو
تمام رنگ ملیں، ایک نور پیدا ہو

جو دل سے قوم کے نکلی ہے وہ صدا ہے یہی
تھا جس پہ ناز مسیحا کو، وہ صدا ہے یہی
دلوں کو مست جو کرتی ہے وہ ادا ہے یہی
غریب ہند کے آزار کی دوا ہے یہی

نہ چین آئے گا بے ہوم رول پائے ہوئے
فقیر قوم کے بیٹھے ہیں لَو لگائے ہوئے

یہ جوشِ پاک زمانہ مٹا نہیں سکتا
رگوں میں خوں کی حرارت مٹا نہیں سکتا
یہ آگ وہ ہے جو پانی بجھا نہیں سکتا
دلوں میں آ کے یہ ارمان جا نہیں سکتا

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرثیۂ گوپال کرشن گوکھلے

لرز رہا تھا وطن جس خیال کے ڈر سے — وہ آج خون رُلاتا ہے دیدۂ تر سے
صدا یہ آتی ہے پھل پھول اور پتھر سے — زمیں پہ تاج گرا قومِ ہند کے سر سے

حبیبِ قوم کا، دُنیا سے یوں روانہ ہوا
زمیں اُلٹ گئی، کیا مُنقلب زمانہ ہوا

بڑھی ہوئی تھی نحوست زوالِ پیہم کی — ترے ظہور سے تقدیر قوم کی چمکی
نگاہِ یاس تھی ہندوستاں پہ عالم کی — عجیب شے تھی مگر روشنی ترے دم کی

تجھی کو مُلک میں روشن دماغ سمجھے تھے
تجھے غریب کے گھر کا چراغ سمجھے تھے

وطن کو تو نے سنوارا کس آب و تاب کے ساتھ — سحر کا نور بڑھے جیسے آفتاب کے ساتھ
چُنے رفاہ کے گُل حُسنِ انتخاب کے ساتھ — شباب قوم کا چمکا ترے شباب کے ساتھ

جو آج نشو و نما کا نیا زمانہ ہے
یہ انقلاب تری عُمر کا فسانہ ہے

رہا مزاج میں سودائے قوم، خو ہو کر — وطن کا عشق رہا دِل کی آرزو ہو کر
بدن میں جان رہی وقفِ آبرو ہو کر — رگوں میں جوشِ محبت رہا لہو ہو کر

خدا کے حُکم سے جب آب و گِل بنا تیرا
کسی شہید کی مٹّی سے دِل بنا تیرا

وطن کی جان پہ کیا کیا تباہیاں آئیں — اُمنڈ اُمنڈ کے جہالت کی بدلیاں آئیں
چراغِ امن بجھانے کو آندھیاں آئیں — دِلوں میں آگ لگانے کو بجلیاں آئیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِس اِنتشار میں جس نور کا سہارا تھا
فلک پہ قوم کے وہ ایک ہی ستارا تھا

حدیثِ قوم بنی تھی تری زباں کے لیے
زباں ملی تھی محبّت کی داستاں کے لیے
خدا نے تجھ کو پیمبر کیا یہاں کے لیے
کہ تیرے ہاتھ میں ناقوس تھا اذاں کے لیے
وطن کی خاک تری بارگاہِ اعلا ہے
ہمیں یہی نئی مسجد، نیا شوالا ہے

غریب ہند نے تنہا نہیں یہ داغ سہا
وطن سے دور بھی طوفان رنج و غم کا اٹھا
حبیب کیا ہیں، رقیبوں نے یہ زباں سے کہا
سفیرِ قوم، جگر بندِ سلطنت نہ رہا
پیام شہ نے دیا رسمِ تعزیت کے لیے
کہ تو ستون تھا ایوانِ سلطنت کے لیے

دلوں میں نقش ہیں اب تک تری زباں کے سخن
ہماری راہ میں گویا چراغ ہیں روشن
فقیر تھے جو ترے در کے خادمانِ وطن
انھیں نصیب کہاں ہوگا اب ترا دامن؟
ترے الم میں وہ اس طرح جان کھوتے ہیں
کہ جیسے باپ سے چھُٹ کر یتیم روتے ہیں

اجل کے دام میں آنا ہے یوں تو عالم کو
مگر یہ دل نہیں تیار تیرے ماتم کو
پہاڑ کہتے ہیں دنیا میں ایسے ہی غم کو
مٹا کے تجھ کو، اجل نے مٹا دیا ہم کو
جنازہ ہند کا در سے ترے نکلتا ہے
سہاگ قوم کا تیری چتا میں جلتا ہے

رہے گا رنج زمانہ میں یادگار ترا
وہ کون دل ہے کہ جس میں نہیں مزار ترا
جو کل رقیب تھا، ہے آج سوگوار ترا
خدا کے سامنے ہے مُلک شرمسار ترا
پلی ہے قوم ترے سایۂ کرم کے تلے
ہمیں نصیب تھی جنّت ترے قدم کے تلے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرثیۂ بال گنگادھر تلک

موت نے رات کے پردے میں کیا کیسا وار روشنی صُبحِ وطن کی ہے، کہ ماتم کا غبار
معرکہ سرد ہے، سویا ہے وطن کا سردار طنطنہ شیر کا باقی نہیں، سُونی ہے کچھار
بے کسی چھائی ہے، تقدیر پھری جاتی ہے
قوم کے ہاتھ سے تلوار گری جاتی ہے

اُٹھ گیا دولتِ ناموسِ وطن کا وارِث قومِ مرحوم کے اعزازِ کہن کا وارِث
جاں نثارِ ازلی، شیرِ دکن کا وارِث پیشواؤں کے گرجتے ہوئے رن کا وارِث
تھی سمائی ہوئی پوؔنا کی بہار آنکھوں میں
آخری دور کا باقی تھا خُمار آنکھوں میں

موت مہراشٹ کی تھی، یا ترے مرنے کی خبر مُردنی چھاگئی اِنسان تو کیا پتّھر پر
پتّیاں جُھک گئیں، مُرجھا گئے صحرا کے شجر رہ گئے جوش میں بہتے ہوئے دریا تھم کر
سرد و شاداب ہوا رُک گئی کُہساروں کی
روشنی گھٹ گئی دو چار گھڑی تاروں کی

تھا نگہبانِ وطن دبدبۂ عام ترا نہ ڈِگیں پانو، یہ تھا قوم کو پیغام ترا
دِل رقیبوں کے لرزتے تھے وہ تھا کام ترا نیند سے چونک پڑے، سُن جو لیا نام ترا
یاد کر کے تجھے مظلومِ وطن روئیں گے
بندۂ رسمِ وفا چین سے اب سوئیں گے

زندگی تیری بہارِ چمنستانِ وفا آبرو تیرے لیے قوم سے پیمانِ وفا
عاشقِ نامِ وطن، کُشتۂ درمانِ وفا مردِ میدانِ وفا، جسمِ وفا، جانِ وفا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوگئی نذرِ وطن ہستیِ فانی تیری
نہ تو پیری رہی تیری، نہ جوانی تیری

اوجِ ہمّت پہ رہا تیری وفا کا خورشید — موت کے خوف پہ غالب رہی خدمت کی اُمید
بن گیا قید کا فرمان بھی راحت کی نوید — ہوئے تاریکیِ زنداں میں ترے بال سفید

پھر رہا ہے مری نظروں میں سراپا تیرا
آہ! وہ قیدِ ستم اور بُڑھاپا تیرا

مُعجزہ اشکِ محبّت کا دکھایا تُو نے — ایک قطرے سے یہ طوفان اُٹھایا تُو نے
ملک کو ہستیِ بیدار بنایا تُو نے — جذبۂ قوم کے جادُو کو جگایا تُو نے

اِک تڑپ آگئی سوئے ہوئے ارمانوں میں
بجلیاں کوند گئیں قوم کے ویرانوں میں

لاش کو تیری سنواریں جو رفیقانِ وطن — ہو جبیں کے لیے صندل کی جگہ خاکِ وطن
تر ہُوا ہے جو شہیدوں کے لہو سے دامن — دیں اُسی کا تجھے پنجاب کے مظلوم کفن

شورِ ماتم نہ ہو، جھنکار ہو زنجیروں کی
چاہیے قوم کے بھیشم کو چِتا تیروں کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آصف الدولہ کا امام باڑہ

آصف الدولہ مرحوم کی تعمیر کہن
دیکھ سیاح! اسے رات کے سناٹے میں
در و دیوار نظر آتے ہیں کیا صاف و سبک
یہی ہوتا ہے گماں، خاک سے مس اس کو نہیں
یک بہ یک دیدۂ حیراں کو یہ شک ہوتا ہے
بے خودی کہتی ہے آیا یہ فضا میں کیوں کر؟

جس کی صنعت کا نہیں صفحۂ عالم پہ جواب
منھ سے اپنے مہِ کامل نے جب الٹی ہو نقاب
سحر کرتی ہے نگاہوں پہ ضیائے مہتاب
ہے سنبھالے ہوئے دامن میں ہوائے شاداب
ڈھل کے سانچے میں زمیں پر اتر آیا ہے سحاب
کسی استادِ مصور کا ہے یہ جلوۂ خواب

اک عجب منظرِ دل گیر نظر آتا ہے
دور سے عالمِ تصویر نظر آتا ہے

شوکت و شانِ عمارت کی خبر دیتا ہے
وہ سپیدیِ سحر نور کی ہلکی ہلکی
ایسے عالم میں وہ کہرے سے ابھرنا اس کا
ہوتے ہیں گنبدِ مینار فضا میں ظاہر
جگمگاتا ہے شعاعوں میں یہ ایوانِ بلند
پارۂ چوب کے احساں کی ضرورت نہ رہی
اس کی تعمیر کو آئے نہیں معمارِ فرنگ
بچ گیا خاک کے پردے پہ یہ مٹی کا طلسم
اس کے سایہ میں گرا تاجِ حکومت سر سے
مل گئے خاک میں سب اس کے بسانے والے

پردۂ شب کے سرکنے پہ سحر کا آغاز
آشیاں چھوڑ کے جب کرتے ہیں طائر پرواز
جیسے موجوں کے تلاطم سے نمایاں ہو جہاز
بڑھ کے ہوتی ہیں زیارت سے نگاہیں ممتاز
جس کی صنعت کا ہے دنیا میں نرالا انداز
خاک اور خشت نے مل کر یہ دکھایا اعجاز
ہے یہ تہذیبِ اودھ کے لیے سرمایۂ ناز
گو زمانے کی ہوا اس کے لیے تھی ناساز
اس نے دیکھا یہ زمانہ کا نشیب اور فراز
کچھ شجر ہائے کہن اب ہیں پرانے دمساز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا سرِ شام اُداسی کا سماں رہتا ہے ــــ در و دیوار سے کر جاتی ہے رونق پرواز
دھوپ اُترتی ہوئی، آنکھوں کو یہ دِکھلاتی ہے ــــ دلِ مجروح کا ہر خشت میں ہے سوز و گداز
جس کے فیضانِ حکومت کا کرشمہ ہے یہ ــــ اِس کے سایہ میں ہے سویا ہُوا وہ خلق نواز
اس کی ہمّت کی بلندی ہے بلندی اِس کی ــــ اُس کے اخلاق کی وسعت کا ہے اِس میں انداز
جب زیارت میں محرّم کو بشر آتے ہیں ــــ چاندنی رات میں آتی ہے فلک سے آواز

بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہِ ملک و روضۂ شاہنشاہ است

قوم کے سورماؤں کی الوداع

ساحلِ ہند سے جرّارِ وطن جاتے ہیں ــــ کچھ نئی شان سے جاں بازِ کُہن جاتے ہیں
رن میں، باندھے ہوئے شمشیر و کفن جاتے ہیں ــــ تیغ زن، برق فگن، قلعہ شکن جاتے ہیں

سامنے اُن کے ظفر برہنہ پا چلتی ہے
اُن کی تلوار کے سایہ میں قضا چلتی ہے

اِن کی رگ رگ میں ہیں پیوست شجاعت کے چلن ــــ رن کا میدان ہے اُن کے لیے ماں کا دامن
عرصۂ جنگ کی موت اِن کو ہے اِک شب کی دُلھن ــــ مر کے تلوار سے حاصل ہو تو خلعت ہے کفن

جوش اِن میں جو ہے اُس جوش کا اب دور نہیں
ساٹھ پُشتوں کے سپاہی ہیں کوئی اور نہیں

یہ نظم سنہ ۱۹۱۲ء میں لکھی گئی تھی جب ہندوستانی سپاہی حکومتِ برطانیہ کی مدد کے لیے پہلی جنگ عظیم میں شریک ہونے جا رہے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہاں دلیرانِ وطن ! دھاک بٹھا کر آنا طنطنہ جرمنِ خود بیں کا مٹا کر آنا
قیصری تخت کی بُنیاد ہلا کر آنا ندّیاں خوں کی برلن میں بہا کر آنا

یہی گنگا ہے سپاہی کے نہانے کے لیے
ناو تلوار کی ہے پار لگانے کے لیے

جاں نثار آج تمھارا سا زمانہ میں نہیں ہاں دکھا دو کہ ہو تاجِ شہِ لندن کے نگیں
دوست کیا چیز ہیں؟ دشمن ہوں فدائے تحسیں آسماں وجد کرے، بول اُٹھے رن کی زمیں

یوں تو لڑنے کو بہت شہ کے نمک خوار لڑے
اور ہی شان سے لیکن یہ وفادار لڑے

جس گھڑی معرکۂ جنگ میں ہو تیغ علم سورما لڑتے ہیں اِس طرح، پکارے عالم
دِل ہو ارجن کا، جگر بھیم کا، انگد کا قدم موت کے وقت نظر میں ہو شبیہِ بھیشم

جس کا قابو نہ ہٹا موت کی تدبیروں پر
سایۂ تیغ میں آرام کیا تیروں پر

ہو وہ یورش، کہ ہو شیرازۂ اعدا برہم اِک اُمنڈتے ہوئے دریا کا ہو پیدا عالم
جو کسی سے نہ جُھکا، وہ سرِ مغرور ہو خم پہلے برلن میں جو پہنچے، وہ تمھارا ہو قدم

"واہ گرو" کہہ کے بڑھو! خوں کے محضر کُھل جائیں
پھر ہری سنگھ کی تلوار کے جوہر کُھل جائیں

تم کو اعزاز ملا، ہے یہ وطن کا اِعزاز دیکھنا اب ہے شجاعت کا تمھاری انداز
خاکِ یورپ پہ، دلیری سے ہو اپنی ممتاز تیغِ ہندی کی اِصالت پہ زمانے کو ہو ناز

قوم کا اوج بڑھے، نامِ وطن زندہ ہو
رُوح پرتاپ کی جنّت میں نہ شرمندہ ہو

یا ظفریاب تمھیں دیکھ کے دِل ہو بشّاش آئے یا سوئے وطن خوں میں ڈوبی ہوئی لاش
سر جُدا تن سے ہو، یا ہو تنِ بسمل صد پاش گوشۂ امن و اماں کی نہ ہو آنکھوں کو تلاش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

موت معراج ہے ، اِس دشت کے راہی کے لیے
آنچ تلوار کی ، جنّت ہے سپاہی کے لیے

گو کہ دُنیا سے مِٹے شوکتِ قیصر کا سُراغ
شعلۂ تیغ سے مُرجھائے نہ تہذیب کا باغ

گُل نہ ہو دِل کے شوالے میں حمیّت کا چراغ
بے گناہوں کے لہو کا نہ ہو تلوار میں داغ

راستہ ہے یہی قوموں کی نباہی کے لیے
خونِ معصوم کا دوزخ ہے سپاہی کے لیے

مادرِ قوم کا ہے اپنے سپوتوں سے پیام
خطّۂ ہند کا اِس جنگ میں روشن رہے نام

تیغِ خورشید نے جس شان سے چھوڑا ہے نیام
اپنے مسکن میں اُسی شان سے پائے آرام

شاعرِ گوشہ نشیں شکرِ خدا کرتا ہے
جنگ ہو تم کو مبارک ، یہ دُعا کرتا ہے

کشمیر

پانی میں ہے چشموں کے اثر آبِ بقا کا
ہر نخل میں عالم خضرِ سبز قبا کا

جو پھول ہے گُلشن میں ، وہ ہے نورِ خُدا کا
سایہ میں شجر کے ہے اثر ظلِّ ہُما کا

مبدا کرمِ عام کی ہر جوئے رواں ہے
سرچشمۂ فیضِ چمن آرائے جہاں ہے

وہ موجِ ہوا کا حرکت ابر کو دینا
چشموں سے پہاڑوں کے وہ اُڑتا ہوا پھینا

گاتے ہوئے ملّاحوں کا وہ کشتیاں کھینا
ڈل کا وہ سرِ شام اُدھر کروٹیں لینا

وہ عکس چراغوں کا جھلکتا نظر آنا
پانی کا ستارا بھی چمکتا نظر آنا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہر لالۂ کہسار ہے شکلِ گلِ راحت — داغ اُس کے ہیں خالِ رُخِ حورائے مسرّت
کیا سبزۂ خوش رنگ ہے سرمایۂ عشرت — دِل کے لیے ٹھنڈک ہے، جگر کے لیے فرحت

ایسا نہیں قدرت نے کیا فرش کہیں پر
اِس رنگ کا سبزہ ہی نہیں روئے زمیں پر

"وہ صبح کو کہسار کے پھولوں کا مہکنا — وہ جھاڑیوں کی آڑ میں چڑیوں کا چہکنا
گردوں پہ شفق، کوہ پہ لالے کا دہکنا — مستوں کی طرح ابر کے ٹکڑے کا بہکنا

ہر پھول کی جُنبش سے عیاں ناز پری کا
چلنا وہ دبے پاؤں نسیمِ سحری کا"

وہ طائرِ کہسار، لبِ چشمۂ کہسار — وہ سرد ہوا، کرمِ ابرِ گہر بار
وہ میوۂ خوش رنگ، وہ سرسبز چمن زار — اِک آن میں صحّت ہو، جو برسوں کا ہو بیمار

یہ باغِ وطن، رشکِ گلزارِ جناں ہے
سرمایۂ نازِ چمن آرائے جہاں ہے

ہے خطّۂ سرسبز میں اِک نور کا عالم — ہر شاخ و شجر پر شجرِ طور کا عالم
پروین ہے، یہ خوشۂ انگور کا عالم — ہر غار پہ بھی ہے رمِ حور کا عالم

نکلے نہ صدا ایسی، مُغنّی کے گلو سے
آتی ہے جو آوازِ ترنّم لبِ جو سے

میووں سے گراں بار وہ اشجار کے ڈالے — بکھرے ہوئے وہ دامنِ کہسار پہ لالے
اُڑتے ہوئے بالائے ہوا برف کے جھالے — دیکھے جو کوئی دور سے، ہیں روئی کے گالے

وہ ابر کے ٹکڑوں کا تماشا شجروں میں
جھرنوں کی صدائیں وہ پہاڑوں کے دروں میں

چھوٹے ہوئے اِس باغ کو گزرا ہے زمانا — تازہ ہے مگر اُس کی محبّت کا فسانا
عالم نے شرف جن کی بزرگی کا ہے مانا — اُٹھے تھے اِسی خاک سے وہ عالم و دانا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تن جن کا ہے پیوند اب اِس پاک زمیں کا
رگ رگ میں ہماری ہے رواں خون اُنہیں کا

ہاں مَیں بھی ہوں بُلبُل اُسی شاداب چمن کا
ہے چشمۂ فردوس، یہ عالم ہے دہن کا

کس طرح نہ سرسبز ہو گُلزارِ سخن کا
ہے رنگ طبیعت میں چمن زارِ وطن کا

تازہ ہیں مضامیں بھی، طبیعت بھی ہری ہے
ہاں گُلشنِ قومی کی ہوا سر میں بھری ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اقبال ۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال　　۲۲ر فروری ۱۸۷۳ء　　۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء

نیا شوالہ

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تو بُرا نہ مانے　　تیرے صنم کدوں کے بُت ہو گئے پُرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا　　جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دَیر و حرم کو چھوڑا　　واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے
پتّھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مُجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے
آ! غیریت کے پردے اِک بار پھر اُٹھا دیں　　بچھڑوں کو پھر مِلا دیں، نقشِ دوئی مِٹا دیں
سُونی پڑی ہوئی ہے مدّت سے دِل کی بستی　　آ! اِک نیا شوالہ اِس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ　　دامانِ آسماں سے اُس کا کلس مِلا دیں
ہر صُبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے　　سارے پُجاریوں کو مے پیت کی پِلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مُکتی پریت میں ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شعاعِ اُمید

سُورج نے دِیا اپنی شُعاعوں کو یہ پیغام
دُنیا ہے عجب چیز، کبھی صُبح، کبھی شام
مُدّت سے تُم آوارہ ہو پہنائے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہریِ ایّام
نے ریت کے ذرّوں پہ چمکنے میں ہے راحت
نے مثلِ صبا طوفِ گُل و لالہ میں آرام
پھر میرے تجلّی کدۂ دِل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و بیابان و در و بام

آفاق کے ہر گوشے سے اُٹھتی ہیں شُعاعیں
بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش
اِک شور ہے، مغرب میں اُجالا نہیں مُمکن
افرنگ مشینوں کے دھُوئیں سے ہے سیہ پوش
مشرِق نہیں گو لذّتِ نظّارہ سے محروم
لیکن صفتِ عالمِ لاہوت ہے خاموش
پھر ہم کو اُسی سینۂ رَوشن میں چھُپا لے
اے مہرِ جہاں تاب! نہ کر ہم کو فراموش

اِک شوخ کرن، شوخ مِثالِ نِگہ حُور
آرام سے فارِغ، صفتِ جوہرِ سیماب
بولی، کہ مجھے رُخصتِ تنویر عطا ہو
جب تک نہ ہو مشرِق کا ہر اک ذرّہ جہاں تاب
چھوڑُوں گی نہ مَیں ہِند کی تاریک فضا کو
جب تک نہ اُٹھیں خواب سے مردانِ گراں خواب
خاور کی اُمیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اِقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
چشمِ مہ و پرویں ہے اِسی خاک سے رَوشن
یہ خاک، کہ ہے جس کا خزف ریزہ دُرِ ناب
اِس خاک سے اُٹھے ہیں وہ غوّاصِ معانی
جن کے لِیے ہر بحرِ پُر آشوب ہے پایاب
جِس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دِلوں میں
محفِل کا وہی ساز ہے بے گانۂ مِضراب
بُت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدِیر کو روتا ہے مُسلماں تہِ محراب
مشرِق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فِطرت کا اِشارا ہے کہ ہر شب کو سحر کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حضورِ رسالت مآب میں

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہُوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر رواں ہُوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن
نظامِ کُہنۂ عالم سے آشنا نہ ہُوا
فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مُجھ کو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مُجھ کو

کہا حضور نے ! اے عندلیب باغِ حجاز !
کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ وِلا ہے دِل تیرا
فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اُڑا جو پستیِ دُنیا سے تو سوئے گردوں
سِکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز
نِکل کے باغِ جہاں سے بہ رنگِ بُو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

حضور ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے، وہ زندگی نہیں مِلتی
ہزاروں لالہ و گُل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بُو، وہ کلی نہیں مِلتی
مگر میں نذر کو اِک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اِس میں ہے، جنّت میں بھی نہیں مِلتی
جھلکتی ہے تری اُمّت کی آبرو اِس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اِس میں

لینن خُدا کے حضور میں

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات !
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پایندہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا، کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے ؟
ہر دم مُتغیّر تھے خِرد کے نظریّات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے
بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات

آج آنکھ نے دیکھا، تو وہ عالم ہُوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خُرافات

ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آنات

اِک بات، اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات

جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات

گُفتار کے اُسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب رُوح کے اندر مُتلاطم ہوں خیالات

وہ کون سا آدم ہے کہ ہے جس کا تو معبود
وہ آدمِ خاکی؟ کہ جو ہے زیرِ سماوات

مشرق کے خُداوند سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خُداوند درخشندہ فلزّات

یورپ میں بہت روشنیِ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظُلمات

رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے
سُود ایک کا، لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبّر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیّت کے فتوحات

وہ قوم، کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہے دِل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مُروّت کو کُچل دیتے ہیں آلات

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

مے خانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزُل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سُرخی نظر آتی ہے سرِ شام
یا غازہ ہے، یا ساغر و مینا کی کرامات

تو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دُنیا ہے تری مُنتظرِ روزِ مکافات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساقی نامہ

ہُوا خیمہ زن کاروانِ بہار — اِرم بن گیا دامنِ کوہسار
گُل و نرگس و سَوسن و نسترن — شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چُھپ گیا پردۂ رنگ میں — لہُو کی ہے گردش رگِ سنگ میں
فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرُور — ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیُور
وہ جُوئے کُہستاں اُچکتی ہوئی — اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اُچھلتی، پھِسلتی، سنبھلتی ہوئی — بڑے پیچ کھا کر نِکلتی ہوئی
رُکے جب، تو سِل چیر دیتی ہے یہ — پہاڑوں کے دِل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقیِ لالہ فام! — سُناتی ہے یہ زندگی کا پیام
پِلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز — کہ آتی نہیں فصلِ گُل روز روز
وہ مے، جس سے روشن ضمیرِ حیات — وہ مے، جس سے ہے مستیِ کائنات
وہ مے، جس میں ہے سوز و سازِ ازل — وہ مے، جس سے کھُلتا ہے رازِ ازل

اُٹھا ساقیا! پردہ اِس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے — نیا راگ ہے، ساز بدلے گئے
ہُوا اِس طرح فاش رازِ فرنگ — کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
پُرانی سیاست گری خوار ہے — زمیں میر و سُلطاں سے بیزار ہے
گیا دَورِ سرمایہ داری گیا — تماشا دِکھا کر مداری گیا
گراں خواب چِینی سنبھلنے لگے — ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے
دلِ طُور و سِینا و فاراں دو نیم — تجلّی کا پھر منتظر ہے کلیم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مُسلماں ہے توحید میں گرم جوش — مگر دِل ابھی تک ہے زُنّار پوش
تمدّن، تصوّف، شریعت، کلام — بتانِ عجم کے پُجاری تمام
حقیقت خُرافات میں کھو گئی — یہ اُمّت روایات میں کھو گئی
لُبھاتا ہے دِل کو کلامِ خطیب — مگر لذّتِ شوق سے بے نصیب
بیاں اُس کا منطق سے سُلجھا ہُوا — لُغت کے بکھیڑوں میں اُلجھا ہُوا
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد — محبّت میں یکتا، حمیّت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالِک مقامات میں کھو گیا

بجھی عِشق کی آگ، اندھیر ہے
مُسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

مُجھے عِشق کے پر لگا کر اُڑا — مِری خاک جگنو بنا کر اُڑا
خِرد کو غُلامی سے آزاد کر — جوانوں کو پیروں کا اُستاد کر
ہری شاخِ مِلّت ترے نم سے ہے — نفس اِس بدن میں ترے دم سے ہے
تڑپنے، پھڑکنے کی توفیق دے — دِلِ مُرتضیٰ، سوزِ صِدّیق دے
جِگر سے وہی تیر پھر پار کر — تمنّا کو سینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر — زمینوں کے شب زِندہ داروں کی خیر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — مِرا عِشق، میری نظر بخش دے
مِری ناو گرداب سے پار کر — یہ ثابت ہے، تو اِس کو سیّار کر
بتا مُجھ کو اسرارِ مرگ و حیات — کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
مِرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں — مِرے دِل کی پوشیدہ بے تابیاں
مِرے نالۂ نیم شب کا نیاز — مِری خلوت و انجمن کا گُداز
اُمنگیں مِری، آرزوئیں مِری — اُمیدیں مِری، جُستجوئیں مِری
مِری فِطرت آئینۂ روزگار — غزالانِ افکار کا مرغزار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرا دل، مری رزم گاہِ حیات — گمانوں کا لشکر، یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی! متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لُٹا دے اسے
لُٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے

دمادم رواں ہے یمِ زندگی — ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود — کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دُود
گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گِل — خوش آئی اسے محنتِ آب و گِل
یہ ثابت بھی ہے اور سیّار بھی — عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر — مگر ہر کہیں بے چگوں، بے نظیر
یہ عالم، یہ بُت خانۂ شش جہات — اسی نے تراشا ہے یہ سومنات
پسند اس کو تکرار کی خُو نہیں — کہ تُو میں نہیں، اور میں تُو نہیں
من و تو سے ہے انجمن آفریں — مگر عینِ محفل میں خلوت نشیں
چمک اس کی بجلی میں، تارے میں ہے — یہ چاندی میں، سونے میں، پارے میں ہے
اسی کے بیاباں، اسی کے ببُول — اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کی طاقت سے کُہسار چُور — کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حُور
کہیں جرّہ شاہینِ سیماب رنگ — لہُو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

کبوتر کہیں آشیانے سے دُور
پھڑکتا ہُوا جال میں ناصبُور

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات — تڑپتا ہے ہر ذرّۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجُود — کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تُو، راز ہے زندگی — فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند — سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سفر زندگی کے لیے برگ و ساز — سفر ہے حقیقت، حضر ہے مجاز
الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے — تڑپنے، پھڑکنے میں راحت اسے
ہوا جب اسے سامنا موت کا — کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا
اتر کر جہانِ مکافات میں — رہی زندگی موت کی گھات میں
مذاقِ دوئی سے بنی زوج زوج — اٹھی دشت و کہسار سے فوج فوج
گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے — اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات — ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات
بڑی تیز جولاں، بڑی زود رس — ازل سے ابد تک رمِ یک نفس

زمانہ، کہ زنجیرِ ایام ہے
دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے؟ تلوار ہے — خودی کیا ہے؟ تلوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے؟ رازِ درونِ حیات — خودی کیا ہے؟ بیداریِ کائنات
خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند — سمندر ہے اک بوند پانی میں بند
اندھیرے اجالے میں ہے تابناک — من و تو میں پیدا، من و تو سے پاک
ازل اس کے پیچھے، ابد سامنے — نہ حد اس کے پیچھے، نہ حد سامنے
زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی — ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی — دمادم نگاہیں بدلتی ہوئی
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں — پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگِ رواں
سفر اس کا انجام و آغاز ہے — یہی اس کی تقویم کا راز ہے
کرن چاند میں ہے، شرر سنگ میں — یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
اسے واسطہ کیا کم و بیش سے — نشیب و فراز و پس و پیش سے
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر — ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خودی کا نشیمن ترے دِل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تِل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زہرناب
وہ ناں، جس سے جاتی رہے اُس کی آب

وہی ناں ہے اُس کے لیے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

فروِ فالِ محمود سے درگزر
خودی کو نگہ رکھ، ایازی نہ کر

وہی سجدہ ہے لائقِ اِحترام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

یہ عالم، یہ ہنگامۂ رنگ و صوت
یہ عالم، کہ ہے زیرِ فرمانِ موت

یہ عالم، یہ بُت خانۂ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش

خودی کی ہے یہ منزلِ اوّلیں
مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں

تری آگ اِس خاک داں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے، تو جہاں سے نہیں

بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طِلسمِ زمان و مکاں توڑ کر

خودی شیرِ مولا، جہاں اُس کا صَید
زمیں اس کی صَید، آسماں اُس کا صَید

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجوُد

ہر اک مُنتظِر تیری یلغار کا
تری شوخیِ فِکر و کردار کا

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

تو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زِشت
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت

حقیقت یہ ہے جامۂ حرفِ تنگ
حقیقت ہے آئینہ، گُفتار زنگ

فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس
مگر تابِ گُفتار کہتی ہے بس

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خضرِ راہ

شاعر

ساحلِ دریا پہ تھا اک رات میں محوِ نظر
گوشۂ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب

شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا نرم سیر
تھی نظر حیراں، کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب؟

جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیر خوار
موجِ مضطر، تھی کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب

رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجمِ کم ضو، گرفتارِ طلسمِ ماہتاب

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکِ جہاں پیما، خضر
جس کی پیری میں ہے مانندِ سحر، رنگِ شباب

کہہ رہا ہے مجھ سے، اے جویائے اسرارِ ازل!
چشمِ دل وا ہو، تو ہے تقدیرِ عالم بے حجاب

دل میں یہ سن کر بپا ہنگامۂ محشر ہوا
میں شہیدِ جستجو تھا، یوں سخن گستر ہوا

اے تری چشمِ جہاں بیں پر وہ طوفاں آشکار!
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش

"کشتیِ مسکین"، و "جانِ پاک"، و "دیوارِ یتیم"
علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

چھوڑ کر آبادیاں، رہتا ہے تو صحرا نورد
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے؟
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش؟

ہو رہا ہے ایشیا کا خرقۂ دیرینہ چاک
نوجواں اقوامِ نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش

گرچہ اسکندر رہا محرومِ آبِ زندگی
فطرتِ اسکندری اب تک ہے گرمِ ناؤ نوش

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفیٰ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صحرانوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرانوردی پر تجھے ؟ یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ خانہ ! تو نے وہ سماں دیکھا نہیں گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام وہ حضر بے برگ و ساماں ، وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمودِ اخترِ سیماب پا ہنگامِ صبح یا نمایاں بامِ گردوں سے جبینِ جبرئیل
وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں اہلِ ایماں جس طرح جنت میں گردِ سلسبیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش اور آبادی میں تو زنجیریِ کشت و نخیل

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی ، اے بے خبر ! رازِ دوامِ زندگی

زندگی

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں ، اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ ! جاوداں ، پیہم دواں ، ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر ! اگر زندوں میں ہے سرِّ آدم ہے ، ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے ، یہ اپنی قوتِ تسخیر سے گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

خام ہے جب تک ، تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار — اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زِندگی کی قوّتِ پنہاں کو کر دے آشکار — تا یہ چنگاری، فروغِ جاوِداں پیدا کرے
خاکِ مشرق پر چمک جائے مِثالِ آفتاب — تا بدخشاں، پھر وہی لعلِ گِراں پیدا کرے
سوئے گردوں، نالۂ شب گیر کا بھیجے سفیر — رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل! عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آ! بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ المُلوک — سلطنت، اقوامِ غالب کی ہے اِک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر — پھر سُلا دیتی ہے اُس کو حُکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز — دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دِلبری
خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں — توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طِلسمِ سامری
سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے — حُکمراں ہے اِک وہی، باقی بُتانِ آزری
از غُلامی فِطرتِ آزاد را رُسوا مکُن — تا تراشی خواجۂ، از برہمن کافر تری
ہے وہی سازِ کہُن، مغرِب کا جمہوری نظام — جِس کے پردوں میں نہیں، غیر از نوائے قیصری
دیوِ اِستبداد، جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے، یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رِعایات و حقوق — طِبِّ مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری
گرمیِ گُفتارِ اعضائے مجالس، الاماں! — یہ بھی اِک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

اِس سرابِ رنگ و بُو کو گلِستاں سمجھا ہے تو
آہ، اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے — خِضر کا پیغام کیا؟ ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر — شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دستِ دولت آفریں کو مُزد یوں مِلتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

ساحرِ اَلمُوط نے تُجھ کو دِیا برگِ حشیش
اور تُو اَے بے خبر! سمجھا اُسے شاخِ نبات

نسل، قومیّت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
"خواجگی" نے خوب چُن چُن کر بنائے مُسکرات

کٹ مرا ناداں! خیالی دیوتاؤں کے لیے
سُکر کی لذّت میں تُو لُٹوا گیا نقدِ حیات

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا، سرمایہ دار
اِنتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اُٹھ، کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دَور کا آغاز ہے

ہمّتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں، غافل! ترے دامن میں شبنم کب تلک؟

نغمۂ بیداریِ جمہور ہے سامانِ عیش
قصّۂ خواب آورِ اسکندر و جم، کب تلک؟

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہُوا
آسماں! ڈُوبے ہُوئے تاروں کا ماتم، کب تلک؟

توڑ ڈالیں فطرتِ اِنساں نے زنجیریں تمام
دُوریِ جنّت سے روتی چشمِ آدم، کب تلک؟

باغبانِ چارہ فرما سے یہ کہتی ہے بہار
زخمِ گُل کے واسطے تدبیرِ مرہم، کب تلک؟

کرمکِ ناداں! طوافِ شمع سے آزاد ہو!
اپنی فطرت کے تجلّی زار میں آباد ہو!

دُنیائے اسلام

کیا سُناتا ہے مجھے؟ تُرک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اِسلامیوں کا سوز و ساز

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بُنیادِ کلیسا بن گئی، خاکِ حجاز

ہو گئی رُسوا زمانے میں کُلاہِ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

لے رہا ہے مَے فروشانِ فرنگستاں سے پارس
وہ مئے سرکش، حرارت جس کی ہے مینا گداز

حِکمتِ مغرب سے مِلّت کی یہ کیفیّت ہُوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے، گاز

ہو گیا مانندِ آب ارزاں مُسلماں کا لہو
مُضطرب ہے تُو، کہ تیرا دِل نہیں دانائے راز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گفت رومیؔ "ہر بنائے کہنہ کاباداں کنند
می ندانی ، اوّل آں بنیاد را ویراں کنند"

مُلک ہاتھوں سے گیا، مِلّت کی آنکھیں کھل گئیں — حق تُرا چشمے عطا کردست، غافل! در نگر!
مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست — مورِ بے پر! حاجتے پیشِ سُلیمانے مبر!
ربط وضبطِ مِلّتِ بَیضا ہے مشرق کی نجات — ایشیا والے ہیں اِس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر، داخل حِصارِ دیں میں ہو! — مُلک و دولت ہے، فقط حفظِ حرم کا اِک ثمر
ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر
جو کرے گا اِمتیازِ رنگ و خوں، مِٹ جائے گا — تُرکِ خرگاہی ہو یا اِعرابیِ والا گُہر
نسل اگر مُسلم کی، مذہب پر مُقدّم ہو گئی — اُڑ گیا دُنیا سے تو، مانندِ خاکِ رہ گزر
تا خِلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر اُستوار — لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اے کہ نشناسی خفی را از جلی! ہُشیار باش!
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ! ہُشیار باش!

عِشق کو فریاد لازم تھی، سو وہ بھی ہو چکی — اب ذرا دل تھام کر اِس آہ کی تاثیر دیکھ!
تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج — موجِ مُضطر، کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ!
عام حُرّیت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے — اے مُسلماں! آج تو اُس خواب کی تعبیر دیکھ!
اپنی خاکستر، سمندر کو ہے سامانِ وجود — مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر، دیکھ!
کھول کر آنکھیں، مرے آئینۂ گُفتار میں — آنے والے دور کی دُھندلی سی اِک تصویر دیکھ!
آزمودہ فتنہ ہے اِک اور بھی گردوں کے پاس — سامنے تقدیر کے، رُسوائیِ تدبیر دیکھ!

مُسلم استی، سینہ را از آرزو آباد دار!
ہر زماں پیشِ نظر لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد دار!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مسجدِ قُرطبہ

ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی

سِلسلۂ روز و شب، نقش گرِ حادثات
سِلسلۂ روز و شب، اصلِ حیات و ممات

سِلسلۂ روز و شب، تارِ حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات، اپنی قبائے صِفات

سِلسلۂ روز و شب، سازِ ازل کی فُغاں
جس سے دِکھاتی ہے ذات، زیر و بمِ مُمکنات

تُجھ کو پرکھتا ہے یہ، مُجھ کو پرکھتا ہے یہ
سِلسلۂ روز و شب، صیرفیِ کائنات

تُو ہو اگر کم عیار، مَیں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات

تیرے شب و روز کی، اور حقیقت ہے کیا؟
ایک زمانے کی رَو، جس میں نہ دِن ہے نہ رات

آنی و فانی تمام مُعجزہ ہائے ہُنر
کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات

اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کُہن ہو کہ نَو، منزلِ آخر فنا

ہے مگر اُس نقش میں، رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کِسی مردِ خُدا نے تمام

مردِ خُدا کا عمل، عشق سے صاحِب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام

تُند و سُبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو
عشق خُود اِک سَیل ہے، سَیل کو لیتا ہے تھام

عشق کی تقویم میں، عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں، جن کا نہیں کوئی نام

عشق دمِ جبرئیل، عشق دِلِ مُصطفےٰ
عشق خُدا کا رسُول، عشق خُدا کا کلام

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاسُ الکرام

عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنُود
عشق ہے ابنُ السّبیل، اُس کے ہزاروں مقام

عشق کے مِضراب سے، نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نُورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام، جس میں نہیں رفت و بود

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

قطرۂ خونِ جگر، سِل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا، سوز و سرور و سرود

تیری فضا دل فروز، میری نوا سینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود

عرشِ معلّیٰ سے کم سینۂ آدم نہیں
گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہرِ کبود

پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسّر تو کیا
اس کو میسّر نہیں سوز و گدازِ سجود

کافرِ ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے

تیرا جلال و جمال، مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل، تو بھی جلیل و جمیل

تیری بنا پائدار، تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل

تیرے در و بام پہ، وادیِ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند، جلوہ گہِ جبرئیل

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں، کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش، سرِّ کلیم و خلیل

اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج، دجلہ و دنیوب و نیل

اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا، اس نے پیامِ رحیل

ساقیِ اربابِ ذوق، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل

مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ

تجھ سے ہوا آشکار، بندۂ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقامِ بلند، اس کا خیالِ عظیم
اس کا سرور، اس کا شوق، اس کا نیاز، اس کا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اُس کی اُمیدیں قلیل، اُس کے مقاصد جلیل اُس کی ادا دلفریب، اُس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقیں اور یہ عالم تمام، وہم و طلسم و مجاز

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں، گرمیِ محفل ہے وہ

کعبۂ اربابِ فن، سطوتِ دینِ مُبیں تجھ سے حرم مرتبت، اُندلسیوں کی زمیں
ہے تہِ گردوں اگر حُسن میں تیری نظر قلبِ مُسلماں میں ہے، اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردانِ حق، وہ عربی شہسوار حاملِ خُلقِ عظیم، صاحبِ صِدق و یقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب سلطنتِ اہلِ دِل، فقر ہے، شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی، تربیتِ شرق و غرب ظُلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کے طُفیل، آج بھی ہیں اُندلسی خوش دِل و گرم اختلاط، سادہ و روشن جبیں
آج بھی اُس دیس میں عام ہے چشمِ غزال اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

بوئے یمن آج بھی اُس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اُس کی نواؤں میں ہے

دیدۂ انجم میں ہے، تیری زمیں، آسماں آہ! کہ صدیوں سے ہے، تیری فضا بے اذاں
کون سی وادی میں ہے؟ کون سی منزل میں ہے؟ عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں
دیکھ چکا المنی، شورشِ اصلاحِ دیں جس نے نہ چھوڑے کہیں، نقشِ کہن کے نشاں
حرفِ غلط بن گئی، عصمتِ پیرِ کُنشت اور ہُوئی فکر کی کشتیِ نازک، رواں
چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب جس سے دگرگوں ہُوا مغربیوں کا جہاں
ملّتِ رُومی نژاد، کُہنہ پرستی سے پیر لذّتِ تجدید سے وہ بھی ہُوئی پھر جواں
رُوحِ مُسلماں میں ہے، آج وہی اضطراب رازِ خُدائی ہے یہ، کہہ نہیں سکتی زباں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیکھیے! اِس بحر کی تہ سے اُچھلتا ہے کیا؟
گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا؟

وادیٔ کہسار میں، غرقِ شفق ہے سحاب — لعلِ بدخشاں کے ڈھیر، چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پُرسوز ہے دخترِ دہقاں کا گیت — کشتیٔ دل کے لیے، سیل ہے عہدِ شباب
آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی — دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں — میری نگاہوں میں ہے اُس کی سحر بے حجاب
پردہ اُٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے — لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی — رُوحِ اُمَم کی حیات، کشمکشِ انقلاب
صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم — کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

فنونِ لطیفہ

اے اہلِ نظر! ذوقِ نظر خوب ہے، لیکن — جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا؟
مقصودِ ہنر، سوزِ حیاتِ ابدی ہے — یہ ایک نفس، یا دو نفس، مثلِ شرر کیا؟
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا — اے قطرۂ نیساں! وہ صدف کیا؟ وہ گہر کیا؟
شاعر کی نوا ہو، کہ مغنّی کا نفس ہو — جس سے چمن افسردہ ہو، وہ بادِ سحر کیا؟

بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا، وہ ہنر کیا؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جلوتیانِ مدرسہ، کور نگاہ و مردہ ذوق — خلوتیانِ مے کدہ، کم طلب و تہی کدو
میں، کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ — میری تمام سرگزشت، کھوئے ہوؤں کی جستجو
بادِ صبا کی موج ہے، نشوونمائے خار و خس — میرے نفس کی موج ہے نشوونمائے آرزو
خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش — ہے رگِ ساز میں رواں، صاحبِ ساز کا لہو

فرصتِ کشمکش مدہ! ایں دلِ بیقرار را
یک دو شکن زیادہ کن! گیسوئے تابدار را

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب — گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ — ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر، جلوۂ بے حجاب سے

تیری نظر میں ہیں، تمام میرے گزشتہ روز و شب — مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیلِ بے رطب
تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا — عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب
گاہ بحیلہ می برد، گاہ بحیلہ می کشد — عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق — وصل میں مرگِ آرزو، ہجر میں لذتِ طلب
عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا — گرچہ بہانہ جو رہی، میری نگاہِ بے ادب

گرمیِ آرزو فراق، شورشِ ہائے و ہو فراق
موج کی جستجو فراق، قطرہ کی آبرو فراق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

ابلیس

یہ عناصر کا پُرانا کھیل، یہ دُنیائے دُوں
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمنّاؤں کا خوں

اُس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اُس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں

مَیں نے دِکھلایا فرنگی کو مُلوکیّت کا خواب
مَیں نے توڑا مسجد و دَیر و کلیسا کا فسُوں

مَیں نے ناداروں کو سِکھلایا سبق تقدیر کا
مَیں نے مُنعم کو دِیا سرمایہ داری کا جُنوں

کَون کر سکتا ہے اُس کی آتشِ سوزاں کو سرد؟
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں

جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کَون کر سکتا ہے اُس نخلِ کُہن کو سرنگوں؟

پہلا مُشیر

اِس میں کیا شک ہے؟ کہ مُحکم ہے یہ ابلیسی نظام
پُختہ تر اُس سے ہُوئے خوئے غُلامی میں عوام

ہے ازل سے اِن غریبوں کے مُقدّر میں سجود
اِن کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام

آرزُو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا، تو مر جاتی ہے، یا رہتی ہے خام

یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صُوفی و مُلّا مُلوکیّت کے بندے ہیں تمام

طبعِ مشرق کے لیے موزُوں یہی افیُون تھی
ورنہ قوّالی سے کچھ کم تر نہیں 'علمِ کلام'

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا؟
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام

کِس کی نَومیدی پہ حُجّت ہے یہ فرمانِ جدید؟
ہے جہاد اِس دَور میں مردِ مُسلماں پر حرام

دوسرا مُشیر

خیر ہے سُلطانیِ جمہُور کا غوغا، کہ شر؟
تُو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر؟

پہلا مُشیر

ہُوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مُجھے
جو مُلوکیّت کا اِک پردہ ہو، کیا اُس سے خطر؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہُوا ہے خُود شناس و خُود نِگر

کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سُلطاں پر نہیں ہے مُنحصر

مجلسِ مِلّت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سُلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مُشیر

رُوحِ سُلطانی رہے باقی، تو پھر کیا اضطراب؟
ہے مگر کیا اِس یہودی کی شرارت کا جواب؟

وہ کلیمِ بے تجلّی، وہ مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب

کیا بتاؤں؛ کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب

اِس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد؟
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

چوتھا مُشیر

توڑ اِس کا رُومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آلِ سیزر کو دِکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب

کون بحرِ رُوم کی موجوں سے ہے لپٹا ہُوا
گاہ بالد چوں صنوبر، گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مُشیر

میں تو اِس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں مُشیر

(ابلیس کو مُخاطب کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم آشکار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گِل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز
ابلہِ جنّت تری تعلیم سے دانائے کار

تُجھ سے بڑھ کر فِطرتِ آدم کا وہ محرم نہیں
سادہ دِل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار

کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سرنگوں و شرمسار

گرچہ ہیں تیرے مُرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے اُن کی فراست پر نہیں ہے اعتبار

وہ یہودی فتنہ گر، وہ رُوحِ مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اُس کے جنوں سے تار تار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زاغِ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرغ
کتنی سُرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار

چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اِک مُشتِ غبار

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابلیس

(اپنے مُشیروں سے)

ہے مرے دستِ تصرّف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تُو بہ تُو

دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
مَیں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہُو

کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ؟
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو

کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اِسے
توڑ کر دیکھے تو اِس تہذیب کے جام و سبو

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مُزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اِشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہُو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی، تو اُس اُمّت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

خال خال اِس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو

جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے
مُزدکیّت فتنۂ فردا نہیں، اِسلام ہے

۲

جانتا ہوں مَیں، یہ اُمّت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جانتا ہوں مَیں، کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

الحذر! آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر!
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
مُنعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب — پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب — یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر، الٰہیات میں اُلجھا رہے — یہ کتابُ اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

۳

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات — ہو نہ روشن اُس خدا اندیش کی تاریک رات
ابنِ مریم مر گیا، یا زندۂ جاوید ہے؟ — ہیں صفاتِ ذاتِ حق حق سے جُدا یا عینِ ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے — یا مجدّد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات؟
ہیں کلامُ اللہ کے الفاظ، حادث یا قدیم؟ — اُمّتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟
کیا مُسلماں کے لیے کافی نہیں اِس دور میں — یہ الٰہیات کے ترشے ہُوئے لات و منات؟
تم اِسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے — تا بساطِ زندگی میں اِس کے سب مُہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام — چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوّف اِس کے حق میں خوب تر — جو چھپا دے اِس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اِس اُمّت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی اِحتسابِ کائنات

مست رکھو ذکر و فکرِ صُبحگاہی میں اِسے
پُختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اِسے

جمہوریت

اِس راز کو اِک مردِ فرنگی[۱] نے کیا فاش
ہر چند، کہ دانا اِسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

۱ سٹنڈل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زُہد و رِندی

اِک مولوی صاحب کی سُناتا ہوں کہانی
تیزی نہیں منظور طبیعت کی دِکھانی

شہرہ تھا بہت آپ کی صُوفی منشی کا
کرتے تھے ادب اُن کا اعالی و ادانی

کہتے تھے کہ پنہاں ہے تصوّف میں شریعت
جِس طرح کہ الفاظ میں مُضمر ہیں معانی

لبریزِ مئے زُہد سے تھی دِل کی صُراحی
تھی تہ میں کہیں دُردِ خیالِ ہمہ دانی

کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی
منظور تھی تعداد مُریدوں کی بڑھانی

مدّت سے رہا کرتے تھے ہمسائے میں میرے
تھی رِند سے زاہد کی مُلاقات پُرانی

حضرت نے مِرے ایک شناسا سے یہ پُوچھا
اقبال کہ ہے قُمریِ شمشادِ معانی

پابندیِ احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟
گو شعر میں ہے رشکِ کلیمِ ہمدانی

سُنتا ہوں کہ کافِر نہیں ہندو کو سمجھتا
ہے ایسا عقیدہ اثرِ فلسفہ دانی

ہے اُس کی طبیعت میں تشیّع بھی ذرا سا
تفضیلِ علی ہم نے سُنی اُس کی زبانی

سمجھا ہے کہ ہے راگ عبادات میں داخِل
مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اُڑانی

کچھ عار اُسے حُسن فروشوں سے نہیں ہے
عادت یہ ہمارے شُعرا کی ہے پُرانی

گانا جو ہے شب کو، تو سحر کو ہے تلاوت
اِس رمز کے اب تک نہ کھُلے ہم پہ معانی

لیکن یہ سُنا اپنے مُریدوں سے ہے مَیں نے
بے داغ ہے مانندِ سحر اُس کی جوانی

مجموعۂ اضداد ہے، اِقبال نہیں ہے
دِل دفترِ حکمت ہے، طبیعت خفقانی

رِندی سے بھی آگاہ، شریعت سے بھی واقف
پوچھو جو تصوّف کی، تو منصُور کا ثانی

اِس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھُلتی
ہوگا یہ کسی اور ہی اِسلام کا بانی

القصّہ، بہت طول دیا وعظ کو اپنے
تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی

اِس شہر میں جو بات ہو اُڑ جاتی ہے سب میں
مَیں نے بھی سُنی اپنے احبّا کی زبانی

اِک دِن جو سرِ راہ مِلے حضرتِ زاہد
پھر چھِڑ گئی باتوں میں وہی بات پُرانی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فرمایا، شکایت وہ محبّت کے سبب تھی
تھا فرض مرا راہ شریعت کی دِکھانی
مَیں نے یہ کہا؛ کوئی گِلہ مُجھ کو نہیں ہے
یہ آپ کا حق تھا زرہِ قُربِ مکانی
خم ہے سرِ تسلیم مرا آپ کے آگے
پیری ہے تواضُع کے سبب میری جوانی
گر آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
پَیدا نہیں کُچھ اِس سے قصوُرِ ہمہ دانی
مَیں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گہرا ہے مرے بحرِ خیالات کا پانی
مُجھ کو بھی تمنّا ہے کہ اِقبال کو دیکھوں
کی اُس کی جُدائی میں بہُت اشک فشانی
اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کُچھ اِس میں تمسخر نہیں ، واللہ نہیں ہے

نانکؐ

قوم نے پیغامِ گوتم کی ذرا پروا نہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہرِ یک دانہ کی
آہ ! بدقسمت رہے آوازِ حق سے بے خبر
غافِل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اُس نے کِیا جو زندگی کا راز تھا
ہِند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شمعِ حق سے جو منوّر ہو، یہ وہ محفل نہ تھی
بارشِ رحمت ہوئی ، لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ ! شودر کے لیے ہندوستاں غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اِس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شمعِ گوتم جل رہی ہے محفلِ اغیار میں
بُت کدہ پِھر بعدِ مُدّت کے مگر روشن ہُوا
نورِ ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہِند کو اِک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا غالبؔ

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا — ہے پرِ مُرغِ تخیّل کی رسائی تا کُجا
تھا سراپا رُوح تو، بزمِ سُخن پیکر ترا — زیبِ محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اُس حُسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

محفلِ ہستی ترے بربط سے ہے سرمایہ دار — جس طرح ندّی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار
تیرے فردوسِ تخیّل سے ہے قُدرت کی بہار — تیری کشتِ فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ زار
زندگی مُضمر ہے تیری شوخیِ تحریر میں
تابِ گویائی سے جُنبش ہے لبِ تصویر میں

نُطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر — محوِ حیرت ہے ثُریّا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدّق ہے ترے انداز پر — خندہ زن ہے غُنچۂ دِلّی گُلِ شیراز پر
آہ! تو اُجڑی ہوئی دِلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

لُطفِ گویائی میں تیری ہمسری مُمکن نہیں — ہو تخیّل میں نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں
ہائے! اب کیا ہو گئی ہندوستاں کی سرزمیں — آہ اے نظّارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں
گیسوئے اُردو ابھی مِنّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دل سوزیِ پروانہ ہے

اے جہان آباد! اے گہوارۂ علم و ہُنر! — ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در
ذرّے ذرّے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر — یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر
دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آب دار ایسا بھی ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوشؔ ملیح آبادی۔ شبیر حسن خاں ۵ دسمبر ۱۸۹۶ء ۲۲ فروری ۱۹۸۲ء

شکستِ زنداں کا خواب

کیا ہند کا زِنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اُکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں
دیواروں کے نیچے آ آ کر یوں جمع ہوئے ہیں زِندانی
سینوں میں تلاطُم بجلی کا، آنکھوں میں جھلکتی شمشیریں
بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے، توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جُنبش ہے، دم توڑ رہی ہیں تدبیریں
آنکھوں میں گدا کی سُرخی ہے، بے نور ہے چہرہ سُلطاں کا
تخریب نے پرچم کھولا ہے، سجدے میں پڑی ہیں تعمیریں
کیا اُن کو خبر تھی؟ زیر و زبر رکھتے تھے جو رُوحِ مِلّت کو
اُبلیں گے زمیں سے مارِ سیہ، برسیں گی فلک سے شمشیریں
کیا اُن کو خبر تھی؟ سینوں سے جو خون چُرایا کرتے تھے
اِک روز اُسی بے رنگی سے جھلکیں گی ہزاروں تصویریں
کیا اُن کو خبر تھی؟ ہونٹوں پر جو قُفل چڑھایا کرتے تھے
اِک روز اُسی خاموشی سے ٹپکیں گی دہکتی تقریریں
سنبھلو! کہ وہ زِنداں گونج اُٹھا، جھپٹو! کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اُٹھو! کہ وہ بیٹھیں دِیواریں، دَوڑو! کہ وہ ٹوٹیں زنجیریں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بدلی کا چاند

خورشید وہ دیکھو ڈوب گیا، ظُلمت کا نشاں لہرانے لگا
مہتاب وہ ہلکے بادل سے چاندی کے ورق برسانے لگا
وہ سانولے پن پر میداں کے ہلکی سی سیاہی دَوڑ گئی
تھوڑا سا اُبھر کر بادل سے وہ چاند جبیں جھلکانے لگا
لو ڈوب گیا پھر بادل میں، بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے
لو پھر وہ گھٹائیں چاک ہوئیں، ظُلمت کا قدم تھرّانے لگا
بادل میں چھُپا تو کھول دیے ہیں دل میں دریچے ہیرے کے
گر دوں میں جو آیا تو گردوں دریا کی طرح لہرانے لگا
سمٹی جو گھٹا تاریکی میں، چاندی کے سفینے لے کے چلا
سنکی جو ہوا، تو بادل کے گرداب میں غوطے کھانے لگا
رُخنوں سے جو جھانکا گردوں کے، امواج کی نبضیں تیز ہوئیں
حلقوں سے جو دَوڑا بادل کے، کُہسار کا سر چکرانے لگا
پردہ جو اُٹھایا بادل کا، دریا پہ تبسّم دَوڑ گیا
چلمن جو گرائی بدلی کی، میدان کا دِل گھبرانے لگا
اُبھرا تو تجلّی دَوڑ گئی، ڈوبا تو فلک بے نور ہوا
اُلجھا تو سیاہی دَوڑادی، سُلجھا تو ضیا برسانے لگا
کیا کاوشِ نور و ظُلمت ہے؟ کیا قید ہے؟ کیا آزادی ہے
اِنساں کی تڑپتی فِطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

البیلی صُبح

نظر جھکائے عروسِ فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں، اُفق کی لو تھرتھرا رہی ہے
روش روش نغمۂ طرب ہے، چمن چمن جشنِ رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں، کلی کلی مُسکرا رہی ہے
ستارۂ صُبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگارِ مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے
طیور، بزمِ سحر کے مُطرب، لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیم، فردوس کی سہیلی، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے
کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں، یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی کلی مُسکرا رہی ہے
سحر کو مدِّنظر ہیں کتنی رعایتیں چشمِ خوں فشاں کی
ہوا بیاباں سے آنے والی لہو کی سُرخی بڑھا رہی ہے
شلوکا پہنے ہوئے گلابی ہر اک سُبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سُرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلّو سُکھا رہی ہے
فلک پہ اِس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گردوپیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے
کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر؟ چٹکتی کلیو! ذرا ٹھہرنا
ہوائے گلشن کی نرم رَو میں یہ کیسی آواز آ رہی ہے ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وفادارانِ ازلی کا پیام

شاہنشاہِ ہندوستان کے نام

تاج پوشی کا مُبارک دن ہے اے عالم پناہ!
اے غریبوں کے امیر! اے مُفلسوں کے بادشاہ!

اے گداپیشوں کے سُلطاں! جاہلوں کے تاج دار!
بے زروں کے شاہ! دریوزہ گروں کے شہر یار!

اے رئیسِ پاک دل! اے شہر یارِ نیک نام!
بھوک کی ماری ہوئی مخلوق کا لیجے سلام

راس کل آئی تھی جیسے آپ کے ماں باپ کو
یوں ہی رسمِ تاج پوشی ہو مُبارک آپ کو

دِل کے دریا نطق کی وادی میں بہ سکتے نہیں
آپ کی ہیبت سے کچھ ہم کھُل کے کہہ سکتے نہیں

لیکن اِتنا ڈرتے ڈرتے عرض کرتے ہیں ضرور
ہند سے واقف کیے جاتے نہیں شاید حضور

آپ کے ہندوستاں کے جسم پر بوٹی نہیں
تن پہ اِک دھجّی نہیں ہے، پیٹ کو روٹی نہیں

صِرف سڑکوں کے چراغاں سے نہیں چلتا ہے کام
کچھ دِلوں کی روشنی کا بھی کیا ہے اہتمام؟

آپ کے فرقِ مُبارک کو دیا ہے جس نے تاج
آس اُس بھارت کا سر ہے اور تیغِ اِحتیاج

ہم سے باغی قِسم کے افراد یہ کہتے ہیں بات
صِرف موسیٰ بن کے فرعونوں سے مُمکن ہے نجات

ہم تو موسیٰ بن نہیں سکتے کِسی تدبیر سے
پھر بھی خائف ہیں سیاسی خواب کی تعبیر سے

نوجواں بپھرے ہوئے ہیں، بھوک سے دِل تنگ ہیں
ذرّے ذرّے سے عیاں آثارِ حرب و جنگ ہیں

کشورِ ہندوستاں میں رات کو ہنگامِ خواب
کروٹیں رہ رہ کے لیتا ہے فضا میں اِنقلاب

گرم ہے سوزِ بغاوت سے جوانوں کا دِماغ
آندھیاں آنے کو ہیں اے بادشاہی کے چراغ!

ہم وفادارانِ پیشیں، ہم غُلامانِ کہُن
قبر جن کی کھُد چکی، تیار ہے جن کا کفن

تُند رَو دریا کے دھارے کو ہٹا سکتے نہیں
نوجوانوں کی اُمنگوں کو دبا سکتے نہیں

مدح یوں ڈر ڈر کے اب کرتے ہیں ہم سرکار کی
جیسے کوئی دھار چھوتا ہے اپنی تلوار کی

آپ سے کیوں کر کہیں ہندوستاں پُر ہول ہے
آپ کا نام آگ ہے، اور کانگرس پٹرول ہے

نوجواں کرتے ہیں جب سرگوشیاں پیکار کی
صاف آتی ہے صدا چلتی ہوئی تلوار کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غور سے سُن لیجیے اے خواجۂ عالی نژاد! آپ کو دھوکے میں رکھ سکتے نہیں ہم خانہ زاد

چونکیے جلدی، ہوائے تند و گرم آنے کو ہے
ذرّہ ذرّہ آگ میں تبدیل ہو جانے کو ہے

مولوی

ہوئی اِک مولوی سے کل ملاقات
شبیہِ قُبّہ و تصویرِ منبر

وہی، ہوں گے جو فِردَوسِ بریں میں
خُدا کے فضل سے حُوروں کے شوہر

عمامہ برسر و مسواک درجیب
اُٹنگا پائجامہ، دلق در بر

حِنا سے ریش سُرخ، آنکھوں میں سُرمہ
لٹیں مہکی ہوئیں، زُلفیں مُعطّر

مُچھکے شانے پہ چوخانے کا رُومال
عبا کے بند میں تسبیحِ احمر

کُشادہ صدر اور کوتاہ گردن
شِکم پُر رُعب، قد رشکِ صنوبر

لٹیں بکھری ہوئیں، آنکھوں پہ عینک
لبیں ترشی ہوئیں، داڑھی شکم پر

عبا عُنّاب گوں، دھانی عمامہ
گلوری منھ میں، لب خونِ کبوتر

جبیں کا داغ اِک دہکی ہوئی رات
کمر کا گھیر اِک سمٹا سمندر

بُتوں کی چاہ میں ہم رشکِ مجنوں
خُدا کے عِشق میں وہ دیو پیکر

وضو کے فیض سے شاداب داڑھی
خُدا کے خوف سے چہرہ گُلِ تر

سجودِ بے ریا ماتھے کی بندی
درودِ باصفا ہونٹوں کا پوڈر

اوامر کی ثنا، ہجوِ نواہی
حدیثیں برزباں، قُرآن ازبر

اِرم کے تذکرے کِس کِس مزے سے
حِنائی ریش مُٹّھی میں پکڑ کر

جبیں گہوارۂ انوارِ یزداں
زباں آئینۂ خُلقِ پیمبر

مگر آنکھوں میں ہنگامِ تبسّم
ریا کی چشمکیں، اللہ اکبر!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کِسان

جُھٹپُٹے کا نرم رو دریا، شفق کا اِضطراب
کھیتیاں، میدان، خاموشی، غرُوبِ آفتاب

دشت کے کام و دہن کو دِن کی تلخی سے فراغ
دُور دریا کے کنارے، دُھندلے دُھندلے سے چراغ

زیرِ لب ارض و سما میں باہمی گُفت و شنُود
مشعلِ گردُوں کے بُجھ جانے سے اِک ہلکا سا دُود

وُسعتیں میدان کی سُورج کے چھُپ جانے سے تنگ
سبزۂ افسردہ پر خواب آفریں ہلکا سا رنگ

خامُشی، اَور خامُشی میں سنسناہٹ کی صدا
شام کی خُنکی سے گویا دن کی گرمی کا گِلا

اپنے دامن کو برابر قطع سا کرتا ہُوا
تیرگی میں کھیتیوں کے درمیاں کا فاصِلا

خار و خس پر ایک دردانگیز افسانے کی شان
بامِ گردُوں پر کسی کے رُوٹھ کے جانے کی شان

دُوب کی خُوشبُوئیں، شبنم کی نمی سے اِک سُرُور
چرخ پر بادل، زمیں پر تتلیاں، سر پر طیُور

پارہ پارہ ابر، سُرخی، سُرخیوں میں کچھ دُھواں
بھُولی بھٹکی سی زمیں، کھویا ہُوا سا آسماں

پتّیاں مخمُور، کلیاں آنکھ جھپکاتی ہُوئی
نرم جاں پودوں کو گویا نیند سی آتی ہُوئی

یہ سماں، اَور اِک قوی اِنسان؛ یعنی کاشتکار
اِرتقا کا پیشوا، تہذیب کا پروردِگار

طِفلِ باراں، تاجدارِ خاک، امیرِ بوستاں
ماہرِ آئینِ قُدرت، ناظمِ بزمِ جہاں

ناظرِ گُل، پاسبانِ رنگ و بُو، گلشن پناہ
ناز پرور، لہلہاتی کھیتیوں کا بادشاہ

وارثِ اسرارِ فطرت، فاتحِ اُمّید و بیم
محرمِ اسرارِ باراں، واقفِ طبعِ نسیم

صُبح کا فرزند، خُورشیدِ زرافشاں کا علم
محنتِ پیہم کا "پیماں" سخت کوشی کی قسم

جلوۂ قُدرت کا شاہد، حُسنِ فطرت کا گواہ
ماہ کا دِل، مہرِ عالمتاب کا نُورِ نگاہ

قلب پر جس کے نُمایاں نُور و ظُلمت کا نظام
مُنکشف جس کی فراست پر مزاجِ صُبح و شام

خُون ہے جس کی جوانی کا بہارِ روزگار
جس کے اشکوں پر فراغت کے تبسّم کا مدار

جس کی محنت کا عرق تیّار کرتا ہے شراب
اُڑ کے جس کا رنگ بن جاتا ہے جاں پرور گُلاب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قلبِ آہن جس کے نقشِ پا سے ہوتا ہے رفیق
خون جس کا ہے بجلیوں کی انجمن میں باریاب
لہر کھاتا ہے رگِ خاشاک میں جس کا لہو
دوڑتی ہے رات کو، جس کی نظر افلاک پر
جس کی جاں کاہی سے ٹپکاتی ہے امرت نبضِ تاک
سازِ دولت کو عطا کرتی ہے نغمے، جس کی آہ
خون جس کا دوڑتا ہے نبضِ استقلال میں
جس کے ماتھے کے پسینے سے، پئے عزّ و وقار
سرنگوں رہتی ہیں جس سے قوتیں تخریب کی
جس کی محنت سے بھبکتا ہے تن آسانی کا باغ
جس کے بازو کی نزاکت پر صلابت کا مدار
دھوپ کے جھلسے ہوئے رخ پر مشقت کے نشاں
ٹوکرا سر پر، بغل میں پھاوڑا، تیوری پہ بل

شعلہ خو، جھونکوں کا ہمدم، تیز کرنوں کا رفیق
جس کے سر پر جگمگاتی ہے کلاہِ آفتاب
جس کے دل کی آنچ بن جاتی ہے سیلِ رنگ و بو
دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں نبضِ خاک پر
جس کے دم سے لالہ و گل بن کے اتراتی ہے خاک
مانگتا ہے بھیک تابانی کی جس سے روئے شاہ
لوچ بھر دیتا ہے جو شہزادیوں کی چال میں
کرتی ہے دریوزۂ تابش کلاہِ تاجدار
جس کے بوتے پر لچکتی ہے کمر تہذیب کی
جس کی ظلمت کی ہتھیلی پر تمدّن کا چراغ
جس کے کس بل پر اکڑتا ہے غرورِ شہریار
کھیت سے پھیرے ہوئے منہ، گھر کی جانب ہے رواں
سامنے بیلوں کی جوڑی، دوش پر مضبوط ہل

کون ہل؟ ظلمت شکن، قندیلِ بزمِ آب و گل
خوشنما شہروں کا بانی، رازِ فطرت کا سراغ
دھار پر جس کی چمن پرور شگوفوں کا نظام
ڈوبتا ہے خاک میں جو روح دوڑاتا ہوا
جس کے چھو جانے سے مثلِ نازنینِ مہ جبیں
پردہ ہائے خواب ہو جاتے ہیں جس سے چاک چاک
جس کی تابش میں درخشانی ہلالِ عید کی
جس کا مس خاشاک میں بنتا ہے اک چادر مہیں

قصرِ گلشن کا دریچہ، سینۂ گیتی کا دل
خاندانِ تیغِ جوہر دار کا چشم و چراغ
شامِ زیرِ ارض کو، صبحِ درخشاں کا پیام
مضمحل ذرّوں کی موسیقی کو چمکاتا ہوا
کروٹوں پر کروٹیں لیتی ہے لیلائے زمیں
مسکرا کر اپنی چادر کو الٹ دیتی ہے خاک
خاک کے مایوس مطلع پر ہو کرن امّید کی
جس کا لوہا مان کر سونا اگلتی ہے زمیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہل پہ دہقاں کے چمکتی ہیں شفق کی سُرخیاں
اُس سیاسی رتھ کے پہیّوں پر جمائے ہے نظر
اپنی دَولت کو، جگر پر تیرِ غم کھاتے ہُوئے
قطع ہوتی ہی نہیں تاریکیِ حرماں سے راہ
مر رہا ہے خوں چکاں آنکھوں کے نیچے بار بار
سوچتا جاتا ہے، کن آنکھوں سے دیکھا جائے گا؟
سیم وزر، نان ونمک، آب وغذا کچھ بھی نہیں

اَور دہقاں سر جھکائے گھر کی جانب ہے رواں
جن میں آجاتی ہے تیزی، کھیتیوں کو روند کر
دیکھتا ہے مُلکِ دُشمن کی طرف جاتے ہُوئے
فاقہ کش بچّوں کے دھندلے آنسوؤں پر ہے نگاہ
گھر کی نا اُمّید دیوی کا شباب سوگوار
بے ردا بیوی کا سر، بچّوں کا مُنھ اُترا ہُوا
گھر میں اِک خاموش ماتم کے سوا، کچھ بھی نہیں

ایک دِل، اَور یہ ہجُومِ سوگواری، ہائے ہائے!
تیری نظروں میں ہیں غلطاں وہ شقاوت کے شرار
بے کسوں کے خون میں ڈوبے ہُوئے ہیں تیرے ہاتھ
ظُلم اَور اِتنا! کوئی حد بھی ہے اِس طوفان کی؟
دیکھ کر تیرے ستم، اے حامیِ امن و اماں!
اِدّعائے پیرویِ دین و ایماں، اَور تو!

یہ ستم اے سنگ دِل سرمایہ داری! ہائے ہائے!
جن کے آگے خنجرِ چنگیز کی مُڑتی ہے دھار
کیا چبا ڈالے گی او کم بخت! ساری کائنات؟
بوٹیاں ہیں تیرے جبڑوں میں غریب انسان کی
گُرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر اُنگلیاں
دیکھ اپنی کُہنیاں، جن سے ٹپکتا ہے لہو

ہاں، سنبھل جا اب، کہ زہرے اہلِ دل کے آب ہیں
کتنے طوفاں تیری کشتی کے لیے بیتاب ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نقّاد

رحم، اے نقادِ فن! یہ کیا ستم کرتا ہے تو؟
کوئی نوکِ خار سے چھوتا ہے نبضِ رنگ و بو؟

شاعری اور منطقی بحثیں، یہ کیسا قتلِ عام؟
بُرِشِ مقراض کا دیتا ہے زلفوں کو پیام؟

کیوں اٹھا ہے جنسِ شاعر کے پرکھنے کے لیے؟
کیا شمیمِ سنبل و نسریں ہے جھکنے کے لیے؟

اے ادب نا آشنا! یہ بھی نہیں تجھ کو خیال؟
تنگ ہے بزمِ سخن میں مدرسے کی قیل و قال

منطقی کانٹے پہ رکھتا ہے کلامِ دلپذیر
کاش اس نکتے کو سمجھے تیری طبعِ حرف گیر

یعنی اک لَے سے لبِ ناقد کو کھلنا چاہیے
پنکھڑی پر قطرۂ شبنم کو تلنا چاہیے

شعر فہمی کے لیے ہیں جو شرائط، بے خبر!
سوچ! تو پورا اترتا بھی ہے اس معیار پر؟

جلتے دیکھا ہے کبھی ہستی کے دل کا تو نے داغ؟
آنچ سے جس کی، غذا پاتا ہے شاعر کا دماغ

دل سے اپنے پوچھ، او زندانیِ علم و کتاب!
حسنِ قدرت کو بھی دیکھا ہے برافگندہ نقاب؟

تو پتہ اسرارِ ہستی کا لگاتا ہے کبھی؟
عالمِ محسوس سے باہر بھی جاتا ہے کبھی؟

کیا وہاں بھی اڑ کے پہنچا ہے کبھی؟ او نکتہ چیں!
کانپتا ہے جس فضا میں شہپرِ روح الامیں

خامشی کی نغمہ ریزی پر بھی سر دھنتا ہے تو؟
قلبِ فطرت کے دھڑکنے کی صدا سنتا ہے تو؟

ان بتوں کی بزم میں تو بھی ہوا ہے باریاب؟
خاک کو، پرچھائیاں جن کی، بناتی ہیں گلاب

جو تبسم چھین لیتے ہیں شبِ مہتاب سے
جن کی برنائی جگاتی ہے دلوں کو خواب سے

سچ بتا! تو بھی ہے کیا؟ اے کشتۂ صد حرص و آز!
رازدانِ کاکلِ شب رنگ و چشمِ نیم باز

تیری نبضوں میں بھی مچلی ہے کبھی بجلی کی رو؟
سوزِ غم سے تیرا دل بھی کیا کبھی دیتا ہے لو؟

سچ بتا! اے عاشقِ دیرینۂ فکرِ معاش!
زہر میں تریاق کے عنصر کی بھی کی ہے تلاش؟

مجھ سے آنکھیں تو ملا، اے دشمنِ سوز و گداز!
تجھ پہ کیا اضداد کی توحید کا افشا ہے راز؟

تیری راتوں کی سیاہی میں بھی اے ظلمت مآب!
کیا کبھی طالع ہوا ہے مسکرا کر آفتاب؟

تو گیا بھی ہے نگارِ غم کے محمل کے قریب؟
آنچ سی محسوس ہوتی ہے کبھی دل کے قریب؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اطوارِ معنی پر بھی اے نافہم ! چڑھ سکتا ہے تو ؟
یہ نہیں تو پھیر لے آنکھیں ، کہ جلوہ اور ہے
شعر کی تحلیل سے پہلے مری تقریر سُن !
دل میں جب اشعار کی ہوتی ہے بارش بیشمار
ڈھال لیتی ہے جنھیں شاعر کی ترکیبِ ادب
اور ہوتی ہے تجلّی بخشِ تاجِ زرفشاں
جن کے اسرارِ درخشاں رُوح کی محفل میں ہیں
شاعری کا خانُماں ہے نُطق کا ٹُوٹا ہُوا
چھائے رہتے ہیں جو شاعر کے دلِ سرشار پر
جاگتے رہتے ہیں دل کی محفلِ خاموش میں
لوگ جن کی جاں گُدازی سے ہیں دل پکڑے ہوئے
شعر ہو جاتا ہے صرف اک جُنبشِ لب سے نڈھال
جام میں آتے ہی اُڑ جاتی ہے شاعر کی شراب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے حیرت کی بات ؟
شعر کیا ؟ جذبِ دروں کا ایک نقشِ ناتمام
کیف میں اک لغزشِ پا کلکِ گوہر بار کی
ایک صورت خستہ و موہُوم سازِ ذوق کی
بے حقیقت ، نے کے اندر " زمزمہ داؤد " کا
شعر کیا ؟ عقل و جُنوں کی مُشترک بزمِ جمال
ظُلمتِ ابہام میں پرچھائیں تفصیلات کی
جوئے قُدرت کی روانی دشتِ مصنوعات میں
شعر کیا ؟ کُچھ سوچنا دل میں بہ لحنِ دلنشیں

کیا مُصنّف کی کتابِ دل کبھی پڑھ سکتا ہے تو ؟
تیری دُنیا اور ہے ، شاعر کی دُنیا اور ہے
خُود زبانِ شعر سے ، آ ! شعر کی تفسیر سُن !
نُطق پر بوندیں ٹپک پڑتی ہیں کُچھ بے اختیار
ڈھل کے گودہ " گوہرِ غلطاں " کا پاتی ہیں لقب .
پھر بھی وہ شاعر کی نظروں میں ہیں خالی سیپیاں
سیپیاں ہیں نُطق کی موجوں پہ ، موتی دل میں ہیں
اس کا شیشہ ہے زباں کی ٹھیس سے ٹُوٹا ہُوا
ٹُوٹ کر آتے ہیں وہ نغمے لبِ گفتار پر
بند کر لیتے ہیں آنکھیں نُطق کی آغوش میں
کھو کھلے نغمے ہیں وہ ، اوزان میں جکڑے ہوئے
سانس کی گرمی سے اس شیشے میں پڑ جاتا ہے بال
ٹُوٹ جاتا ہے کنارے آتے آتے یہ حباب
" شعر " کو سمجھا اگر شاعر کی تو نے کائنات
مُشتبہ سا اک اشارہ ، ایک مُبہم سا کلام
اضطراری ایک جُنبش سی لبِ گُفتار کی
مُرتعش سی ایک آواز انتہائے شُوق کی
عارضِ محدُود پر اک عکس لامحدُود کا
شعر کیا ہے ؟ عشق و حکمت کا مقامِ اتّصال
پیچ و خم کھاتے بگولوں میں چمک ذرّات کی
ٹُوٹنا رنگیں ستارے کا اندھیری رات میں
شعر کیا ؟ ہر چیز کہہ کر کُچھ نہ کہنے کا یقیں ،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شعر کیا ہے؟ نیم بیداری میں بہنا موج کا ۔۔۔ برگِ گُل پر نیند میں شبنم کے گرنے کی صدا
تر زبانی اور خاموشی کی مُبہم گفتگو ۔۔۔ لفظ و معنی میں توازن کی نہفتہ آرزو
بادلوں سے ماہِ نو کی اِک اُچٹتی سی ضیا ۔۔۔ جھانکنا قطرہ کے روزن سے عروسِ بحر کا
مر کے بھی تو شاعری کا بھید پا سکتا نہیں ۔۔۔ عقل میں، یہ مسئلہ نازک ہے، آ سکتا نہیں
تو، سمجھتا تھا، جو کہنا چاہیے تھا، کہہ گیا ۔۔۔ پوچھ شاعر سے! کہ وہ کیا کہہ سکا؟ کیا رہ گیا؟

کون سمجھے؟ شعر یہ کیسے ہیں؟ اور کیسے نہیں؟
دل سمجھتا ہے، کہ جیسے دل میں تھے، ویسے نہیں

مہاجن اور مُفلِس

مہاجن

قد کی لمبائی سے اِک حد تک کمر جھولی ہوئی ۔۔۔ سر پہ چٹیا، مُردہ چوہے کی طرح پھولی ہوئی
دانت میلے، پنڈلیاں پیچیدہ، دھوتی داغدار ۔۔۔ ناک میں مونچھوں کے گونجے، پیٹ میں توندی کا غار
سامنے غلّے کے بورے، پُشت پر الماریاں ۔۔۔ غبغبوں میں کروٹیں لیتی ہوئی زرداریاں
کُہنیاں تکیے کے اندر وزن سے دھنستی ہوئی ۔۔۔ چُست صدری، دائرے پر توند کے پھنستی ہوئی
خواب لے لے کر ڈکاریں، دل کا بہلاتا ہوا ۔۔۔ دونوں نتھنوں کو پُھلائے، توند سہلاتا ہوا
ہنس کے غوطے آبِ سرد و گرم میں دیتا ہوا ۔۔۔ قرض کے طالب کے دل کا اِمتحاں لیتا ہوا
عُذر کرتا پے بہ پے، تیوری چڑھاتا بار بار ۔۔۔ شدّتِ حاجت کا اندازہ لگاتا بار بار
کشتیِ ہستی کو جوئے سیم میں کھیتا ہوا ۔۔۔ اُلٹی سانسیں، فربہی کے بار سے لیتا ہوا
رُخ کی تاریکی پہ، زر کی سُرخیاں چھائی ہوئی ۔۔۔ بے حقیقت خاک، سونا بن کے اِترائی ہوئی
کان کے بالے، نمودِ زر کا دم بھرتے ہوئے ۔۔۔ سود کے بارے میں کچھ سرگوشیاں کرتے ہوئے
عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہوا ۔۔۔ بے زری کی شام سے، اخذِ سحر کرتا ہوا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضُعف سے آنکھوں کے نیچے پُتلیاں پھرتی ہُوئی
آج خُودداری سے دِل پر بجلیاں گرتی ہُوئی

لاش کاندھے پر خُود اپنے جذبۂ تکریم کی
مُلتجی چہرے پہ لہریں سی اُمید و بیم کی

عزّتِ اجداد کے سر پر دمادم ٹھوکریں
رِشتۂ آواز پر لفظوں کی پیہم ٹھوکریں

چہرۂ افسُردہ پر ٹھنڈا پسینہ شرم کا
سُست نبضیں، بھیک کا لہجے کے اندر ٹھیکرا

قرض کی درخواست کی اُلجھی ہُوئی تقریر میں
کپکپی اعصاب کی، بے چین دِل کی لرزشیں

اک طرف حاجت کی شدّت، اِک طرف غیرت کا جوش
نُطق پر حرفِ تمنّا، دِل میں غُصّے کا خروش

جُنبشِ مژگاں کے زیرِ سایہ، ناداری کی رات
جَوہرِ انسانیت جوڑے ہوئے آنکھوں میں ہات

سانس، دہشت سے زمیں کی، آسماں روکے ہوئے
مُفلسی مردانہ لہجے کی عِناں روکے ہوئے

لب کی خشکی، رُخ پہ زردی، آنکھ شرمائی ہُوئی
چشم و ابرو میں خودی کی آگ کجلائی ہُوئی

نفس میں شیرانہ تیور، آرزو، روبہ مزاج
اِحتیاج و اِحتیاج و اِحتیاج و اِحتیاج

فاختہ کی آواز

آج تو فاختہ کی نرم آواز
ہے کچھ اِس طرح غرقِ سوز و گداز

جیسے پیری میں یادِ طفلی آئے
جیسے جل جل کے شمع بُجھ بُجھ جائے

جیسے یعقُوب غرقِ شیون میں
جیسے سیتا کی جُستجو، بن میں

شب کو جس طرح دِل میں درد اُٹھے
بیوگی نو عرُوس کی جیسے

شام کو زیرِ سایۂ کوہسار
جیسے وادی میں دھیمی دھیمی پھوار

جیسے جو بر نہ آئی ہو، وہ مُراد
جیسے بچھڑے ہُوؤں کی دِل میں یاد

جیسے اشکوں کی لہر سینے میں
پانی آنے لگے سفینے میں

جیسے سُسرال میں کوئی لڑکی
دیکھ کر بدلیوں کو ساون کی

صبح پنگھٹ کی نیم کے نیچے
مائیکے کی گھٹائیں یاد کرے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ذاکر سے خطاب

ہوشیار، اے ذاکرِ افسردہ فطرت، ہوشیار! مردِ حق اندیشہ اور باطل سے ہو زار و نزار!
ضُعف کا احساس اور مومن کو؟ کیا یہ خلفشار لا فتیٰ الاّ علی، لا سیفَ الاّ ذوالفقار

جو حُسینی ہے، کسی قوّت سے ڈر سکتا نہیں
موت سے ٹکرا کے بھی سادنت مر سکتا نہیں

تو نہیں روحِ شہیدِ کربلا سے بہرہ مند تیرے شانوں پر تو زُلفِ بُزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے، اے پیشہ ور ماتم پسند! پیرو ضیغم کے سینے میں ہو قلبِ گوسفند

ننگ کا مُوجب ہے یہ، اہلِ وغا کے واسطے
یوں نہ ماتم کر شہیدِ کربلا کے واسطے

مانعِ شیون نہیں میرا پیامِ مُستقل گریہ فطری شے ہے، دُشمن کا بھی بھر آتا ہے دل
دل نہیں پتھر ہے، مولا پر نہ ہو جو مُضمحل گریۂ مومن سے ہے تزئینِ بزمِ آب و گل

کون کہتا ہے؟ کہ دل کے حق میں غم اچّھا نہیں
پھر بھی شغلِ گریہ نصبُ العین بن سکتا نہیں

ہاں! مَیں واقف ہوں کہ آنسو ہے وہ تیغِ آبدار سنگ و آہن میں اُتر جاتی ہے جن کی نرم دھار
ہے مگر مردانگی کو اُن خنک اشکوں سے عار جن کے شیشوں میں نہ غلطاں ہوں شُجاعت کے شرار

اشک، بے سوزِ دروں پانی ہے، ایماں کی قسم
قلبِ شبنم پر شُعاعِ مہرِ تاباں کی قسم

سوچ تو اے ذاکرِ افسُردہ طبع و نرم خو! آہ! تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے، مجلس میں تیری ہاؤ ہو فیس کا دریوزہ ہے، منبر پہ تیری گفتگو

عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خونِ اہلِ بیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے دنائت کا سبق
کربلا کے ذکر میں لیتا نہیں کیوں نامِ حق ؟
چشمۂ دولت ہے، تیرا سیلِ اشکِ بے قلق
خون کی چادر سے سونے کا بناتا ہے ورق

خانۂ برباد، ہے دولت سرا تیرے لیے
اک دفینہ، ہے زمینِ کربلا تیرے لیے

کیا بتاؤں ؛ کیا تصوّر تو نے پیدا کر دیا
غیرتِ حق کو بھلا کر، حق کو رُسوا کر دیا
کربلا و خونِ مولا کو تماشا کر دیا
"آبِ رکنا باد" و "بُستانِ مصلّےٰ" کر دیا

مشقِ گریہ، عیش کی تمہید ہے تیرے لیے
عشرۂ ماہِ محرّم، عید ہے تیرے لیے

سوچ تو کچھ جی میں، اے مشتاقِ راہِ مستقیم !
مومنوں کے دل ہوں اور واماندۂ اُمّید و بیم
شدّتِ آہ و بکا سے دل ہوں سینوں میں دو نیم
کیوں یہی لے دے کے تھا، کیا مقصدِ ذبحِ عظیم ؟

خوف ہے، قربانیِ اعظم نظر سے گر نہ جائے
ابنِ حیدر کے لہو پر، دیکھ ! پانی پھر نہ جائے

سازِ عشرت ہے تجھے ذکرِ امامِ مشرقین
ڈھالتا ہے تیرے سکّے بستگانِ غم کا بین
تیری دار الضّرب ہے اہلِ عزا کا شور و شین
سر جھکا لے شرم سے، اے تاجرِ خونِ حسین !

ذہن میں آتا ہو جس کا نام تلواروں کے ساتھ
اُس کا ماتم، اور ہو سکّوں کی جھنکاروں کے ساتھ

غم کے سکّے بہرِ زر، تا کے بٹھائے جائیں گے ؟
کب تک ہم آخر، پئے عشرت رُلائے جائیں گے ؟
دام پر، تا چند یوں دانے گرائے جائیں گے ؟
آنسوؤں سے تا کجا، موتی بنائے جائیں گے ؟

بہرِ لقمہ تا بہ کے، منبر پہ منھ کھولے گا تو ؟
تا کجا پانی کے کانٹے پر لہو تولے گا تو ؟

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بُعد المشرقین ؟
اُس طرف شورِ رجز خوانی، اِدھر لے دے کے بین
اُس طرف تکبیر، اِدھر ہنگامہ ہائے شور و شین
اِس طرف اشکوں کا پانی، اُس طرف خونِ حسین

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہ تھے کس منزل میں اور تو کون سی منزل میں ہے؟
شرم سے گڑ جا، اگر احساس تیرے دل میں ہے

کربلا، در پردہ بشاش اور بظاہر مضمحل
کربلا سے واقفیت بھی ہے مردِ منفعل!
جس کے ذرّوں پر دھڑکتے ہیں جواں مردوں کے دل
جس کی رفعت سے بلندی آسمانوں کی خجل!

خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر
مُہرِ تکمیلِ نبوّت ثبت ہے جس خاک پر

خار کی نبضوں میں جاری ہے جہاں خونِ گلاب
جس کے ہر ذرّے میں غلطاں ہیں ہزاروں آفتاب
کربلا! تاریخِ عالم میں نہیں تیرا جواب
جس کے خار و خس میں ہے خوشبوئے آلِ بوتراب

کربلا! تو آج بھی قائم ہے اپنی بات پر
مہر، اب بھی سجدہ کرتا ہے ترے ذرّات پر

تیرے خار و خس پہ ہے تابندہ خونِ بے گناہ
اے چراغِ دودمانِ مصطفیٰ کی بارگاہ!
آ رہی ہے ذرّے ذرّے سے صدائے لا الٰہ
تیری جانب اُٹھ رہی ہے اب بھی یزداں کی نگاہ

اے زمیں! خوش ہو کہ تیری زیب و زینت ہے حسینؑ
تیرے سنّاٹے میں محوِ خوابِ راحت ہے حسینؑ

جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا، وہ حسینؑ
جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا، وہ حسینؑ
جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا، وہ حسینؑ
جو جواں بیٹے کی میّت پر نہ رویا، وہ حسینؑ

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اُجالا کر دیا

تھا جو شرحِ مصطفیٰ، تفسیرِ حیدر، وہ حسینؑ
نطق جس کا نغمۂ سازِ پیمبر، وہ حسینؑ
لاکھ پر بھاری رہے جس کے بہتّر، وہ حسینؑ
تشنگی جس کی جوابِ موجِ کوثر، وہ حسینؑ

جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا
جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہنس کے جس نے پی لیا جامِ شہادت، وہ حُسینؑ   مر گیا، لیکن نہ کی فاسق کی بیعت، وہ حُسینؑ
ہے رسالت کی سپر جس کی اِمامت، وہ حُسینؑ   جس نے رکھ لی نوعِ اِنسانی کی عِزّت، وہ حُسینؑ

وہ کہ سوزِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مُسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حُسینؑ! اب تک گُل افشاں ہے تری ہمّت کا باغ   آندھیوں سے لڑ رہا ہے آج بھی تیرا چراغ
تُو نے دھو ڈالے جبینِ ملّتِ بیضا کے داغ   تیرے دِل کے سامنے لرزاں ہے باطل کا دِماغ

فخر کا دِل میں دریچہ باز کرنا چاہیے
جس کا تو آقا ہو، اُس کو ناز کرنا چاہیے

کھول آنکھیں، اے اسیرِ کاکُلِ زِشت و نِکو!   آہ: کن موہوم موجوں پر بہا جاتا ہے تو
ختم ہے آنسو بہانے پر ہی تیری آرزو   اور شہیدِ کربلا نے تو بہایا تھا لہو

ہاتھ ہے ماتم میں تیرا سینۂ افکار پر
اور حُسین اِبنِ علی کا ہاتھ تھا تلوار پر

تھیں بہتّر خوں چکاں تیغیں حُسینی فوج کی   اور صِرف اِک سیّدِ سجّاد کی زنجیر تھی
اِتنی تیغوں کی رہی دِل میں نہ تیرے یاد بھی   حافظے میں صِرف اِک زنجیر باقی رہ گئی

ذہن کو بے چارگی سے اُنس پیدا ہو گیا
اے شجیعِ عالم کے پیرو! یہ تجھے کیا ہو گیا؟

آہ! تو اور سازِ برگِ عافیت کا اِہتمام   کیوں نہیں کہتا؟ کہ باطل کی حکومت ہے حرام
تجھ کو اور زِنداں کا ڈر! کیوں اے غلامِ ننگ و نام!   جانتا ہے؟ رہ چکے ہیں قید میں کتنے اِمام:

تو مثالِ اہلِ بیتِ پاک مر سکتا نہیں
عِشق کا دعویٰ ہے، اور تقلید کر سکتا نہیں

دیکھ، مجھ کو دیکھ! میں ہوں ایک رِندِ بادہ خوار   رسمِ تقویٰ ہی سے واقف ہوں، نہ طاعت سے دوچار
سر پہ ہے شملہ، نہ کاندھے پر عبائے زرنگار   موت کو، لیکن سمجھتا ہوں حیاتِ پائدار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رسم و راہِ زہد و تقویٰ کو سُبک کرتا ہے تو
قتل سے ڈرتا نہیں، اور قید سے ڈرتا ہے تو

خوف کا جن ہے زمانے سے ترے سر پر سوار خوف ہے اِک نامبارک طائرِ مُردار خوار
باغ و بُستاں سے نہیں ہوتی نظر جس کی دوچار روز و شب لاشوں پہ جو منڈلاتا ہے دیوانہ وار
تیرے سر پر اُس کا منڈلانا تماشا تو نہیں
غور کر! تو اِک عفونت خیز لاشا تو نہیں

خلق میں محشر بپا ہے، اور تو مصروفِ خواب خون میں ذِلّت کی موجیں کھا رہی ہیں پیچ و تاب
تیری غیرت کو خبر بھی ہے؟ کہ دشمن کا عتاب تیری ماں بہنوں کی راہوں میں اُلٹتا ہے نقاب
اب تو زخمی شیر کی صورت بپھرنا چاہیے
یہ اگر ہمت نہیں، تو ڈوب مرنا چاہیے

دیکھ تو! کتنی مُکدّر ہے فضائے روزگار کس طرح چھایا ہُوا ہے حق پہ باطل کا غُبار
بزمِ یزدانی میں روحِ اہرمن ہے گرم کار میاں سے باہر اُبل پڑ، اے علی کی ذوالفقار!
نقشِ حق کو، اب بھی او غافل! جلی کرتا نہیں؟
اب بھی تقلیدِ حُسینؑ ابنِ علی کرتا نہیں؟

پروگرام

اے شخص! اگر جوشؔ کو تو ڈھونڈنا چاہے وہ پچھلے پہر حلقۂ عرفاں میں ملے گا
اور صبح کو وہ ناظرِ نظارۂ قدرت طرفِ چمن و صحنِ بیاباں میں ملے گا
اور دن کو وہ سرگشتۂ اسرار و معانی شہرِ ہنر و کوئے ادیباں میں ملے گا
اور شام کو وہ مردِ خدا، رندِ خرابات رحمت کدۂ بادہ فروشاں میں ملے گا
اور رات کو وہ خلوتیِ کاکل و رُخسار بزمِ طرب و کوچۂ خوباں میں ملے گا
اور ہوگا کوئی جبر تو وہ بندۂ مجبور
مُردے کی طرح خانۂ ویراں میں ملے گا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اختر شیرانی - محمد اختر خاں

۴ مئی ۱۹۰۵ء ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء

ایک نوجوان بُت تراش کی آرزو

سانیٹ

ایک ایسا بُت بناؤں کہ دیکھا کروں اُسے
آسودہ ہے خیال کا پیکر بنا ہُوا
خوابِ عدم میں مست ہے جوہر بنا ہُوا
اِک مرمریں حجاب سے پیدا کروں اُسے
پھولوں میں جیسے جذبۂ نکہت نہفتہ ہو
یا جلوے بے قرار ہوں امواجِ رنگ میں
یوں اُس کی رُوح خُفتہ ہے آغوشِ سنگ میں
ظُلمت میں جیسے نور کی صُورت نہفتہ ہو
دِن رات، صُبح و شام مَیں پُوجا کروں اُسے
میرا گُدازِ رُوح جبیں سے مچل پڑے
اُس کی نظر سے جذبِ محبّت اُبل پڑے
سازِ نفس کو توڑ کے گویا کروں اُسے
فن، خوابِ مرگ بن رہے بُت ساز کے لیے
دُنیا پُکارتی رہے آواز کے لیے

۞

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے عشق! کہیں لے چل!

اُن چاند ستاروں کے بکھرے ہوئے شہروں میں
اُن نور کی کرنوں کی ٹھہری ہوئی لہروں میں
ٹھہری ہوئی نہروں میں، سوئی ہوئی لہروں میں

اے خضرِ حسیں لے چل! اے عشق کہیں لے چل!

آنکھوں میں سمائی ہے اِک خواب نُما دُنیا
تاروں کی طرح روشن مہتاب نُما دُنیا
جنّت کی طرح رنگیں شاداب نُما دُنیا

لِلّٰہ وہیں لے چل! اے عشق کہیں لے چل!

یہ درد بھری دُنیا بستی ہے گُناہوں کی
دِل چاک اُمیدوں کی، سفّاک نگاہوں کی
ظُلموں کی، جفاؤں کی، آہوں کی، کراہوں کی

ہیں غم سے حزیں، لے چل! اے عشق کہیں لے چل!

قُدرت ہو حمایت پر، ہمدرد ہو قسمت بھی
سلمٰی بھی ہو پہلو میں، سلمٰی کی محبّت بھی
ہر شَے سے فراغت ہو، اور تیری عنایت بھی

اے طفلِ حسیں لے چل! اے عشق کہیں لے چل!

ہم پریم پُجاری ہیں، تو پریم کنھیّا ہے
ہم پریم کنھیّا ہیں، یہ پریم کی نیّا ہے
یہ پریم کی نیّا ہے، تو اِس کا کھویّا ہے

کچھ فکر نہیں لے چل! اے عشق کہیں لے چل!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا! کس حال میں ہیں یارانِ وطن!
آوارۂ غربت کو بھی سنا! کس رنگ میں ہے کنعانِ وطن!
وہ باغِ وطن، فردوسِ وطن، وہ سروِ وطن، ریحانِ وطن!

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں مستانہ ہوائیں آتی ہیں؟
کیا اب بھی وہاں کے پربت پر گھنگھور گھٹائیں چھاتی ہیں؟
کیا اب بھی وہاں کی برکھائیں ویسے ہی دلوں کو بھاتی ہیں؟

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!

کیا شام پڑے گلیوں میں وہی دلچسپ اندھیرا ہوتا ہے؟
اور سڑکوں کی دھندلی سڑکوں پر سایوں کا ڈیرا ہوتا ہے؟
باغوں کی گھنیری شاخوں میں جس طرح سویرا ہوتا ہے؟

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!

برسات کے موسم اب بھی وہاں ویسے ہی سہانے ہوتے ہیں؟
کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں جھولے اور گانے ہوتے ہیں؟
اور دور کہیں کچھ دیکھتے ہی نوعمر دِوانے ہوتے ہیں؟

او دیس سے آنے والے بتا!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

او دیس سے آنے والے بتا!

کیا آم کے اونچے پیڑوں پر اب بھی وہ پپیہے بولتے ہیں؟
شاخوں کے حریری پردوں میں نغموں کے خزانے کھولتے ہیں؟
ساون کے رسیلے گیتوں سے تالاب میں امرس گھولتے ہیں؟

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی کسی کے سپنوں میں باقی ہے ہماری چاہ؟ بتا!
کیا یاد ہمیں بھی کرتا ہے اب یاروں میں کوئی آہ؟ بتا!
او دیس سے آنے والے بتا! للہ بتا! للہ بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!

کیا ہم کو وطن کے باغوں کی مستانہ فضائیں بھول گئیں؟
برکھا کی بہاریں بھول گئیں؟ ساون کی گھٹائیں بھول گئیں؟
دریا کے کنارے بھول گئے، جنگل کی ہوائیں بھول گئیں؟

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!

کیا گانو پہ اب بھی ساون میں برکھا کی بہاریں چھاتی ہیں؟
معصوم گھروں سے بھور بھئے چکّی کی صدائیں آتی ہیں؟
اور یاد میں اپنے میکے کی، بچھڑی ہوئی سکھیاں گاتی ہیں؟

او دیس سے آنے والے بتا!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

او دیس سے آنے والے بتا !

آخر میں یہ حسرت ہے کہ بتا ! وہ غارتِ ایماں کیسی ہے ؟
بچپن میں جو آفت ڈھاتی تھی ، وہ آفتِ دَوراں کیسی ہے ؟
ہم دونوں تھے جس کے پروانے ، وہ شمعِ شبستاں کیسی ہے ؟

او دیس سے آنے والے بتا !

او دیس سے آنے والے بتا !

کیا اب بھی شہابی عارض پر گیسوئے سیہ بل کھاتے ہیں ؟
یا بحرِ شفق کی موجوں پر دو ناگ پڑے لہراتے ہیں ؟
اور جن کی جھلک سے ساون کی راتوں کے سے سپنے آتے ہیں ؟

او دیس سے آنے والے بتا !

وادیِ گنگا میں ایک رات

کرتے ہیں مسافر کو محبّت کے اشارے
اے وادیِ گنگا ! ترے شاداب نظارے
یہ بکھرے ہوئے پھول ، یہ نکھرے ہوئے تارے
خوشبو سے مہکتے ہوئے دریا کے کنارے

یہ چاندنی رات اور یہ پُر خواب فضائیں
اِک موجِ طرب کی طرح بے تاب فضائیں
سبزے کا ہجوم اور یہ شاداب فضائیں
مہکے ہوئے نظارے ہیں ، بہکے ہوئے تارے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ تارے ہیں، یا نور کے پیمانے ہیں روشن
معصوم گُل اندا موں کے کاشانے ہیں روشن
مستانہ ہواؤں پہ پری خانے ہیں روشن
یا دامنِ افلاک میں بے تاب شرارے

مہتاب ہے، یا نور کی خوابیدہ پری ہے
الماس کی مورت ہے کہ مندر میں کھڑی ہے
مرمر کی صُراحی ہے، رنگیں سے بھری ہے
اور تیرتی ہے نیل کی موجوں کے سہارے

نیندوں میں ہیں کھوئی ہوئی، بیدار ہوائیں
گلزار ہیں گُل ریز و گُہر بار ہوائیں
ہیں نور میں بھیگی ہوئی سرشار ہوائیں
یا بال فشاں مستی و نکہت کے نظارے

ساحل ہیں کہ خوابیدہ نظاروں کے شبستاں
دامن میں لیے چاند ستاروں کے شبستاں
فردوس کی مستانہ بہاروں کے شبستاں
اختر کی تمنّا ہے یہیں رات گزارے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مجاز ۔ اسرار الحق

۱۹۱۱ء ۱۹۵۵ء

نذرِ علی گڑھ

سرشارِ نگاہِ نرگس ہوں ، پابستۂ گیسوئے سُنبل ہوں
یہ میرا چمن ہے میرا چمن ، میں اپنے چمن کا بُلبُل ہوں
ہر آن یہاں صہبائے کُہن اِک ساغرِ نو میں ڈھلتی ہے
کلیوں سے حُسن ٹپکتا ہے ، پھولوں سے جوانی اُبلتی ہے
جو طاقِ حرم میں روشن ہے ، وہ شمع یہاں بھی جلتی ہے
اِس دشت کے گوشے گوشے سے اِک جوئے حیات اُبلتی ہے
اِسلام کے اِس بُت خانے میں اصنام بھی ہیں اور آزر بھی
تہذیب کے اِس مے خانے میں شمشیر بھی ہے اور ساغر بھی
یاں حُسن کی برق چمکتی ہے ، یاں نور کی بارش ہوتی ہے
ہر آہ یہاں اِک نغمہ ہے ، ہر اشک یہاں اِک موتی ہے
ہر شام ہے شامِ مصر یہاں ، ہر شب ہے شبِ شیراز یہاں
ہے سارے جہاں کا سوز یہاں ، اور سارے جہاں کا ساز یہاں
یہ دشتِ جُنوں دیوانوں کا ، یہ بزمِ وفا پروانوں کی
یہ شہرِ طرب رومانوں کا ، یہ خُلدِ بریں ارمانوں کی
فطرت نے سکھائی ہے ہم کو اُفتاد یہاں ، پرواز یہاں
گائے ہیں وفا کے گیت یہاں ، چھیڑا ہے جُنوں کا ساز یہاں
اِس فرش سے اُڑ اُڑ کر ہم نے افلاک کے تارے توڑے ہیں
ناہید سے کی ہے سرگوشی ، پروین سے رشتے جوڑے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِس بزم میں تیغیں کھینچی ہیں ، اِس بزم میں ساغر توڑے ہیں
اِس بزم میں آنکھ بچھائی ہے ، اِس بزم میں دل تک جوڑے ہیں
اِس بزم میں نیزے پھینکے ہیں ، اِس بزم میں خنجر چومے ہیں
اِس بزم میں گر گر تڑپے ہیں ، اِس بزم میں پی کر جھومے ہیں
آآ کے ہزاروں بار یہاں خود آگ بھی ہم نے لگائی ہے
پھر سارے جہاں نے دیکھا ہے یہ آگ ہمیں نے بجھائی ہے
یاں ہم نے کمندیں ڈالی ہیں ، یاں ہم نے شب خوں مارے ہیں
یاں ہم نے قبائیں نوچی ہیں ، یاں ہم نے تاج اُتارے ہیں
ہر آہ ہے خود تاثیر یہاں ، ہر خواب ہے خود تعبیر یہاں
تدبیر کے پائے سنگیں پر جھک جاتی ہے تقدیر یہاں
ذرّات کا بوسہ لینے کو سَو بار جھکا آکاش یہاں
خود آنکھ سے ہم نے دیکھی ہے باطل کی شکستِ فاش یہاں
اِس گُل کدۂ پارینہ میں پھر آگ بھڑکنے والی ہے
پھر ابر گرجنے والے ہیں ، پھر برق کڑکنے والی ہے
جو ابر یہاں سے اُٹھے گا ، وہ سارے جہاں پر برسے گا
ہر جوئے رواں پر برسے گا ، ہر کوہِ گراں پر برسے گا
ہر سرو و سمن پر برسے گا ، ہر دشت و دمن پر برسے گا
خود اپنے چمن پر برسے گا ، غیروں کے چمن پر برسے گا
ہر شہرِ طرب پر گرجے گا ، ہر قصرِ طرب پر کڑکے گا
یہ ابر ہمیشہ برسا ہے ، یہ ابر ہمیشہ برسے گا

—٭—

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آوارہ

شہر کی رات اور مَیں ناشاد و ناکارہ پھروں
جگمگاتی جاگتی سڑکوں پہ آوارہ پھروں
غیر کی بستی ہے کب تک در بہ در مارا پھروں؟

اے غمِ دل کیا کروں؟ اے وحشتِ دل! کیا کروں؟

جھلملاتے قمقموں کی راہ میں زنجیر سی
رات کے ہاتھوں میں دِن کی موہنی تصویر سی
میرے سینے پر مگر دہکی ہوئی شمشیر سی

اے غمِ دل! کیا کروں؟ اے وحشتِ دل! کیا کروں؟

یہ رُپہلی چھاؤں، یہ آکاش پر تاروں کا جال
جیسے صوفی کا تصوّر، جیسے عاشق کا خیال
آہ! لیکن کون جانے، کون سمجھے دِل کا حال؟

اے غمِ دل! کیا کروں؟ اے وحشتِ دل! کیا کروں؟

پھر وہ ٹوٹا اِک ستارہ، پھر وہ چھوٹی پھلجھڑی
جانے کس کی گود میں آئی؟ یہ موتی کی لڑی
ہوک سی سینے میں اُٹھی، چوٹ سی دِل پر پڑی

اے غمِ دل! کیا کروں؟ اے وحشتِ دِل! کیا کروں؟

رات ہنس ہنس کر یہ کہتی ہے کہ مے خانے میں چل
پھر کسی شہناز لالہ رُخ کے کاشانے میں چل
یہ نہیں مُمکن، تو پھر اے دوست! ویرانے میں چل

اے غمِ دل! کیا کروں؟ اے وحشتِ دِل! کیا کروں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہر طرف بِکھری ہوئی رنگینیاں ، رعنائیاں
ہر قدم پر عشرتیں لیتی ہوئی انگڑائیاں
بڑھ رہی ہیں گود پھیلائے ہوئے رُسوائیاں
اے غمِ دل ! کیا کروں ؟ اے وحشتِ دِل کیا کروں ؟

راستے میں رُک کے دم لے لوں ، مری عادت نہیں
لَوٹ کر واپس چلا جاؤں ، مری فِطرت نہیں
اور کوئی ہم نوا مِل جائے ، یہ قسمت نہیں
اے غمِ دل ! کیا کروں ؟ اے وحشتِ دل ! کیا کروں ؟

مُنتظِر ہے ایک طوفانِ بلا میرے لیے
اب بھی جانے کتنے دروازے ہیں وا میرے لیے
پر ، مُصیبت ہے مرا عہدِ وفا میرے لیے
اے غمِ دِل ! کیا کروں ؟ اے وحشتِ دِل ! کیا کروں ؟

جی میں آتا ہے کہ اب عہدِ وفا بھی توڑ دوں
اُن کو پا سکتا ہوں میں ، یہ آسرا بھی چھوڑ دوں
ہاں ، مُناسب ہے ، یہ زنجیرِ ہوا بھی توڑ دوں
اے غمِ دل ! کیا کروں ؟ اے وحشتِ دِل ! کیا کروں ؟

اِک محل کی آڑ سے نِکلا وہ پیلا ماہتاب
جیسے مُلّا کا عمامہ ، جیسے بنیے کی کتاب
جیسے مُفلِس کی جوانی ، جیسے بیوہ کا شباب
اے غمِ دل ! کیا کروں ؟ اے وحشتِ دِل ! کیا کروں ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جی میں آتا ہے، یہ مُردہ چاند تارے نوچ لوں
اِس کنارے نوچ لوں، اور اُس کنارے نوچ لوں
ایک دو کا ذِکر کیا، سارے کے سارے نوچ لوں

اے غمِ دِل کیا کروں؟ اے وحشتِ دل! کیا کروں؟

مُفلسی اور یہ مظاہر ہیں نظر کے سامنے
سیکڑوں سُلطانِ جابر ہیں نظر کے سامنے
سیکڑوں چنگیز و نادر ہیں نظر کے سامنے

اے غمِ دِل! کیا کروں؟ اے وحشتِ دِل! کیا کروں؟

لے کے اِک چنگیز کے ہاتھوں سے خنجر توڑ دوں
تاج پر اُس کے دمکتا ہے جو پتّھر توڑ دوں
کوئی توڑے یا نہ توڑے، مَیں ہی بڑھ کر توڑ دوں

اے غمِ دل! کیا کروں؟ اے وحشتِ دِل! کیا کروں؟

بڑھ کے اِس اِندر سبھا کا ساز و ساماں پھونک دوں
اِس کا گُلشن پھونک دوں اُس کا گُلستاں پھونک دوں
تختِ سُلطاں کیا، مَیں سارا قصرِ سُلطاں پھونک دوں

اے غمِ دل! کیا کروں؟ اے وحشتِ دِل کیا کروں؟

-:-

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مخدوم ۔ محی الدین ۴ر فروری ۱۹۰۸ء ۲۵ر اگست ۱۹۶۹ء

چاند تاروں کا بن

(آزادی سے پہلے ، بعد اور آگے)

موم کی طرح جلتے رہے ہم شہیدوں کے تن
رات بھر جھلملاتی رہی شمعِ صُبحِ وطن
رات بھر جگمگاتا رہا چاند تاروں کا بن
تِشنگی تھی ، مگر
تِشنگی میں بھی سرشار تھے
پیاسی آنکھوں کے خالی کٹورے لیے
مُنتظِر مرد و زن
مستیاں ختم ، مدہوشیاں ختم تھیں
ختم تھا بانکپن
رات کے جگمگاتے دہکتے بدن
صُبح دم ایک دیوارِ غم بن گئے
رات کی شہ رگوں کا اُچھلتا لہُو
جوئے خوں بن گیا
کچھ اِماماںِ صد مکر و فن
اُن کی سانسوں میں افعی کی پھُنکار تھی
اُن کے سینے میں نفرت کا کالا دھواں
اِک کمیں گاہ سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھینک کر اپنی نوکِ زباں
خونِ نورِ سحر پی گئے
رات کی تلچھٹیں ہیں، اندھیرا ابھی ہے۔
صُبح کا کچھ اُجالا ابھی ہے

ہم دمو! ہاتھ میں ہاتھ دو
سوئے منزل چلو
منزلیں پیار کی
منزلیں دار کی
کوئے دِل دار کی منزلیں
دوش پر اپنے اپنی صلیبیں اُٹھائے چلو!

چارہ گر

اِک چنبیلی کے منڈوے تلے
مے کدے سے ذرا دُور اُس موڑ پر

دو بدن
پیار کی آگ میں جل گئے

پیار، حرفِ وفا
پیار، اُن کا خُدا
پیار، اُن کی چِتا

دو بدن
اوس میں بھیگتے، چاندنی میں نہاتے ہوئے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جیسے دو تازہ رُو تازہ دم پھول پچھلے پہر
ٹھنڈی ٹھنڈی سُبک رَو چمن کی ہوا
صرفِ ماتم ہوئی
کالی کالی لٹوں سے لپٹ گرم رُخسار پر
ایک پل کے لِیے رُک گئی
ہم نے دیکھا نہیں
دِن میں اور رات میں
نور و ظُلمات میں
مسجدوں کے مناروں نے دیکھا اُنھیں
مندِروں کے کواڑوں نے دیکھا اُنھیں
مے کدوں کی دراڑوں نے دیکھا اُنھیں
از ازل تا ابد
یہ بتا چارہ گر!
تیری زنبیل میں
نسخہ کیمیاے محبّت بھی ہے؟
کچھ عِلاج و مداواے اُلفت بھی ہے؟
اِک چنبیلی کے منڈوے تلے
مے کدے سے ذرا دُور، اُس موڑ پر

دو بدن
چارہ گر!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اختر - جاں نثار

بار گزری ہے

کبھی چمن میں لطافت بھی بار گزری ہے
نظر پہ پھول کی رنگت بھی بار گزری ہے

ہوا ہے دل میں وہ شعلہ کبھی کبھی روشن
کہ چاندنی کی صباحت بھی بار گزری ہے

مزا ملا ہے کبھی خار کی کہانی میں
کبھی گلوں کی حکایت بھی بار گزری ہے

کبھی خود اپنی وفا سے ہوا ہے دل بیزار
کبھی خود اُن کی محبت بھی بار گزری ہے

کبھی کسی کی متانت سے دم سا اُلجھا ہے
کبھی کسی کی شرارت بھی بار گزری ہے

کسی کے شکوۂ بےجا سے خوش ہوا ہوں کبھی
کبھی نظر کی شکایت بھی بار گزری ہے

کبھی رہا ہے ہر اک انجمن سے دل سیراب
شراب و شعر کی صحبت بھی بار گزری ہے

کبھی رہا ہوں میں اس درجہ بے سر و ساماں
کسی کی چشمِ عنایت بھی بار گزری ہے

کبھی رہا ہوں پریشاں متاعِ حکمت سے
تفکرات کی دولت بھی بار گزری ہے

ہر ایک تلخ حقیقت سے خوش ہوا ہوں کبھی
کبھی خیال کی جنت بھی بار گزری ہے

غمِ جہاں کو کبھی ہمتوں نے اپنایا
کبھی خود اپنی مسرت بھی بار گزری ہے

کبھی نظر جو اُٹھائی ہے آدمیت نے
جبیں پہ مہرِ شرافت بھی بار گزری ہے

کبھی لطافتِ احساس نے ستایا ہے
خود اپنے دل کی نزاکت بھی بار گزری ہے

کبھی کبھی مرا ادراک یوں بھی جاگا ہے
کہ مجھ پہ خود مری فطرت بھی بار گزری ہے

کسی کی یاد قیامت سہی، مگر اختر!
کبھی کبھی یہ قیامت بھی بار گزری ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سراپا

رات کا پیچ و خم تری زُلفیں — چاندنی کا نکھار ، تیرا بدن
صبح کی نرم لَو جبیں تیری — پگھلا پگھلا سا آنچ پر کُندن
ہونٹ تیرے شفق کا مے خانہ — آنکھ تیری ، بہار کا مسکن
اِک لچکتا ہلال ، یا ابرُو — اِک لپکتی شعاع ، یا چتون
تیری مِژگاں کی جُنبشِ پیہم — سینۂ کائنات کی دھڑکن
نکہتِ شام و عطرِ بادِ صبا — کیا ہے ؟ جُز تیرا فیضِ پیراہن
جُنبشِ مہر و ماہ ، تیرا خرام — گردشِ روز و شب ، ترا دامن
تجُھ سے بیدار قلبِ آب و گِل — تجُھ سے سرشار ، رُوحِ سرو و سمن
تیری لَے نظمِ ثابت و سیّار — تیرا نغمہ کشِش کا رازِ کہن
شمعِ کونَین ہے کہ تیرا نفس — حُسنِ تقدیر ہے کہ تیرا سُخن
ہر تلطّف میں ، ہر تغافُل میں — تو جُنوں دوست ، آگہی دُشمن

زندگی ہے کہ تیرا آئینہ
تو ہے یا کائنات کا جوبن

ایک لمحہ

مُدّت میں کسی کی آنکھوں سے اِک لمحے کو آنکھیں چار ہُوئیں
کچھ سانس کسی کی رُک سی گئی ، کچھ رُوح مِری تھرّا سی گئی
کچُھ پچھلی وفائیں یاد آئیں ، کچُھ عہد کبھی کے یاد آئے
کچُھ میری نگاہیں جُھک سی گئیں ، کچُھ اُن کی نظر شرما سی گئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاکِ دل

لکھنؤ میرے وطن! میرے چمن زار وطن!
تیرے گہوارۂ آغوش میں اے جانِ بہار!
اپنی دُنیائے حسیں دفن کیے جاتا ہوں
تو نے جس دِل کو دھڑکنے کی ادا بخشی تھی
آج وہ دِل بھی یہیں دفن کیے جاتا ہوں

دفن ہے دیکھ! مِرا عہدِ بہاراں تجھ میں
دفن ہے دیکھ! مِری رُوحِ گلستاں تجھ میں
میری گلپوش جواں سال اُمنگوں کا سہاگ
میری شاداب تمنّا کے مہکتے ہوئے خواب
میری بیدار جوانی کے فروزاں مہ و سال
میری شاموں کی ملاحت، میری صُبحوں کا جمال
میری محفل کا فسانہ، میری خلوت کا فسوں
میری دیوانگیِ شوق، مِرا نازِ جُنوں
میرے مرنے کا سلیقہ، میرے جینے کا شعور
میرا ناموسِ وفا، میری محبت کا غرور
میری نبضوں کا ترنّم، میرے نغموں کی پُکار
میرے شعروں کی سجاوٹ، مِرے گیتوں کا سِنگھار
لکھنؤ! اپنا جہاں سونپ چلا ہوں تجھ کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنا ہر خوابِ جواں سونپ چلا ہوں تجھ کو
اپنا سرمایۂ جاں سونپ چلا ہوں تجھ کو

لکھنؤ، میرے وطن! میرے چمن زار وطن!

یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا
دفن ہیں اس میں محبت کے خزانے کتنے
ایک عنوان میں مضمر ہیں فسانے کتنے
اک بہن اپنی رفاقت کی قسم کھائے ہوئے
ایک ماں مر کے بھی سینے میں لیے ماں کا گداز
اپنے بچوں کے لڑکپن کو کلیجے سے لگائے
اپنے کھلتے ہوئے معصوم شگوفوں کے لیے
بند آنکھوں میں بہاروں کے جواں خواب بسائے

یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا
ایک ساتھی بھی تہِ خاک یہاں سوتی ہے
عرصۂ دہر کی بے رحم کشاکش کا شکار
جان دے کر بھی زمانے سے نہ مانے ہوئے ہار
اپنے تیور میں وہی عزم جواں سال لیے
یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا
دیکھ اک شمع سرِ راہ گزر جلتی ہے
جگمگاتا ہے اگر کوئی نشانِ منزل
زندگی اور بھی کچھ تیز قدم چلتی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لکھنؤ، میرے وطن! میرے چمن زار وطن!

دیکھ اِس خواب گہِ ناز پہ کل موجِ صبا
لے کے نوروزِ بہاراں کی خبر آئے گی
سُرخ پھولوں کا بڑے ناز سے گوندھے ہوئے ہار
کل اِسی خاک پہ گلرنگ سحر آئے گی
کل اِنہی خاک کے ذرّوں میں سما جائے گا رنگ
کل مرے پیار کی تصویر اُبھر آئے گی

اے مری روحِ چمن! خاکِ لحد سے تیری
آج بھی مُجھ کو ترے پیار کی بُو آتی ہے
زخم سینے کے مہکتے ہیں تری خوشبو سے
وہ مہک ہے کہ مری سانس گھٹی جاتی ہے
مُجھ سے کیا بات بنائے گی زمانے کی جفا
موت خود آنکھ مِلاتے ہوئے شرماتی ہے

مَیں اور اِن آنکھوں سے دیکھوں تُجھے پیوندِ زمیں
اِس قدر ظلم نہیں، ہائے نہیں، ہائے نہیں
کوئی اے کاش! بُجھا دے مری آنکھوں کے دیے
چھین لے مجھ سے کوئی کاش نگاہیں میری
اے مری شمعِ وفا! اے مری منزل کے چراغ
آج تاریک ہوئی جاتی ہیں راہیں میری
تجھ کو رودوں بھی تو کیا رودوں، کہ اِن آنکھوں میں
اشک پتھّر کی طرح جم سے گئے ہیں میرے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زندگی عرصہ گہِ جہدِ مسلسل ہی سہی
ایک لمحے کو قدم تھم سے گئے ہیں میرے

پھر بھی اِس عرصہ گہِ جہدِ مسلسل سے مجھے
کوئی آواز پہ آواز دیے جاتا ہے
آج ستا ہی تجھے چھوڑ کے جانا ہوگا
ناز یہ بھی غمِ دوراں کا اٹھانا ہوگا

زندگی، دیکھ! مجھے حکمِ سفر دیتی ہے
اِک اِک شعلۂ بجاں ساتھ لیے جاتا ہوں
ہر قدم تو نے کبھی عزمِ جواں بخشا تھا
میں وہی عزمِ جواں ساتھ لیے جاتا ہوں

چوم کر آج تری خاکِ لحد کے ذرّے
ان گنت پھول محبّت کے چڑھاتا جاؤں
جانے اِس سمت کبھی میرا گزر ہو کہ نہ ہو
آخری بار گلے تجھ کو لگاتا جاؤں

لکھنؤ، میرے وطن! میرے چمن زار وطن!
دیکھ، اِس خاک کو آنکھوں میں بسا کر رکھنا!
اِس امانت کو کلیجے سے لگا کر رکھنا
لکھنؤ، میرے وطن! میرے چمن زار وطن!

۱۹۵۳ء

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاموش آواز

جنوری کی چاندنی رات میں صفیہؔ کے مزار پر

کتنے دِن میں آئے ہو ساتھی؟ میرے سوتے بھاگ جگانے
مجھ سے الگ اِس ایک برس میں کیا کیا بیتی تم پہ؟ نہ جانے!

دیکھو! کتنے تھک سے گئے ہو؟ کتنی تھکن آنکھوں میں گھلی ہے؟
آؤ، تمھارے واسطے ساتھی! اب بھی مِری آغوش کھلی ہے

چپ ہو کیوں؟ کیا سوچ رہے ہو؟ آؤ، سب کچھ آج بھلا دو!
آؤ، اپنے پیارے ساتھی! پھر سے مجھے اِک بار جلا دو!

اِتنے دِن کے بعد کہیں تم آئے ہو ساجن! میرے دوارے
آج اندھیرے انگنا مورے ناچ اٹھے ہیں چاند ستارے

دیکھو! کتنی رات حسیں ہے جیسے میرا پیار کھلا ہو
آج تو ایسی جوت ہے جیسے چاند زمیں سے آن ملا ہو

بولو ساتھی! کچھ تو بولو! کب تک آخر آہ بھروں گی؟
تم نے مجھ پر ناز کیے ہیں آج میں تم سے ناز کروں گی

آؤ! میں تم سے روٹھ سی جاؤں آؤ! مجھے تم ہنس کے منالو!
مجھ میں سچ مچ جان نہیں ہے آؤ! مجھے ہاتھوں پہ اٹھا لو!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تم کو میرا غم ہے ساتھی !
اپنا کھویا جیون ، بولو !
کیسے اب اس غم کو بھلا دوں ؟
آج کہاں سے ڈھونڈھ کے لاؤں ؟

یہ نہ سمجھنا میرے ساجن !
یہ نہ سمجھنا میرے دل کو
دے نہ سکی میں ساتھ تمہارا
آج تمہارا دکھ ہے گوارا

یہ نہ سمجھنا میں نے تم سے
یہ نہ سمجھنا میں نے تم سے
جان کے یوں منھ موڑ لیا ہے
دل کا ناتا توڑ لیا ہے

یہ نہ سمجھنا میں نے تم سے
دنیا مجھ سے روٹھ چکی ہے
آج کیا ہے کوئی بہانا
ساتھی ! تم بھی روٹھ نہ جانا !

آج بھی ساجن ! میں ہوں تمہاری
آج بھی ان آنکھوں میں بسی ہے
آج بھی تم ہو میرے اپنے
پیار کے ان مٹ گہرے سپنے

دل کی دھڑکن ڈوب بھی جائے
مٹ بھی جاؤں، پھر بھی تم سے
دل کی صدائیں تھک نہ سکیں گی
میری وفائیں تھک نہ سکیں گی

یہ تو پوچھو ! مجھ سے چھٹ کر
تم بن میری ناؤ تو ساجن !
تیرے دل پر کیا گزری ؟
ایسی ڈوبی ، پھر نہ ابھری

ایک تمہارا پیار بچا ہے
ایک مسلسل رات کہ جس میں
ورنہ سب کچھ لٹ سا گیا ہے
آج مرا دم گھٹ سا گیا ہے

آج تمہارا رستا تکتے
کتنے طوفانوں کی زد پر
میں نے پورا سال بتایا
میں نے اپنا دیپ جلایا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تم بِن سارے موسم بیتے — آئے جھونکے سرد ہوا کے
نرم گلابی بھاڑے گزرے — میرے دِل میں آگ لگا کے

ساون آیا دھوم مچاتا — گھر گھر کالے بادل چھائے
میرے دل نہ برجم سے گئے ہیں — جانے کتنے گہرے سائے

چاند سے جب بھی بادل گزرا — دِل سے گزرا عکس تمھارا
پھول جو چٹکے، میں نے جانا — تم نے شاید مجھ کو پکارا

آئیں بہاریں مجھ کو منانے — تم بِن میں تو منھ سے نہ بولی
لاکھ فضا میں گیت سے گونجے — لیکن میں نے آنکھ نہ کھولی

کتنی نکھری صبحیں گزریں — کتنی مہکی شامیں چھائیں
میرے دِل کو دور سے تکنے — جانے کتنی یادیں آئیں

اتنی مدّت بعد تو پریتم! — آج کلی ہردے کی کھلی ہے
کتنی راتیں جاگ کے ساجن! — آج مجھے یہ رات ملی ہے

بولو ساتھی! کچھ تو بولو! — کچھ تو دِل کی بات بتاؤ!
آج بھی مجھ سے دور رہو گے؟ — آؤ! مرے نزدیک تو آؤ!

آؤ! میں تم کو بہلا لوں گی — بیٹھ تو جاؤ، میرے سہارے!
آج تمھیں کیوں غم ہے؟ بولو! — آج تو میں ہوں پاس تمھارے

اچھّا، میرا غم نہ بھلاؤ — میرا غم، ہر غم میں سمو لو!
اِس سے اچھّی بات نہ ہوگی — یہ تو تمھیں منظور ہے؟ بولو!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میرے غم کو، میرے شاعر!   اپنے جواں گیتوں میں رچا لو!
میرے غم کو، میرے شاعر!   سارے جگ کی آگ بنا لو!

میرے غم کی آنچ سے ساتھی!   پھونک اُٹھے گا عزم تمہارا
بات تو جب ہے، لاکھوں دِل کو   چھو لے اپنے پیار کا دھارا

مَیں جو تمہارے ساتھ نہیں ہوں   دِل کو مت مایوس کرو تُم!
تُم ہو تنہا، تُم ہو اکیلے   ایسا کیوں محسوس کرو تُم!

آج ہمارے لاکھوں ساتھی   ساتھی! ہمّت ہار نہ جاؤ
آج کروڑوں ہاتھ بڑھیں گے   ایک ذرا تُم ہاتھ بڑھاؤ

اچھّا، اب تو ہنس دو ساتھی!   ورنہ، دیکھو! روسی پڑوں گی
بولو ساتھی! کچھ تو بولو!   آج میں سچ مُچ تم سے لڑوں گی

جاگ اُٹھی لو دُنیا میری   آئی ہنسی وہ لب پہ تمہارے
دیکھو دیکھو! میری جانب   دَوڑ پڑے ہیں چاند سِتارے

جِھل مِل جِھل مِل کرنیں آئیں   مُجھ کو چندن ہار پنہانے
جگ مگ جگ مگ تارے آئے   پھر سے میری مانگ سجانے

آئیں ہوائیں جھانجھ بجاتی   گیتوں مورا انگنا جاگا
مورے ماتھے جھومر دمکا   مورے ہاتھوں کنگنا جاگا

جاگ اُٹھا ہے سارا عالم   جاگ اُٹھی ہے رات مِلن کی
آؤ، زمیں کی گود میں ساجن!   سیج سجی ہے آج دُلھن کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آؤ، جاتی رات ہے ساتھی ! پیار تمھارا دِل میں بھر لوں
آؤ، تمھاری گود میں ساجن ! تھک کر آنکھیں بند سی کر لوں

اُٹھّو ساتھی ! دُور اُفق کا نرم کِنارا کانپ رہا ہے
میرے دِل کی دھڑکن بن کر صُبح کا تارا کانپ اُٹھا ہے

دِل کی دھڑکن ! ڈوب کے رہ جا جاگی نبضو ! تھم سی جاؤ !
پھر سے، میری بے نم آنکھو ! پتّھر بن کر جم سی جاؤ !

میرے غم کا غم نہ کرو تُم ! اچّھا، اب سے غم نہ کروں گی
میرے اِرادوں والے ساتھی ! جاؤ، مَیں ہِمّت کم نہ کروں گی

تُم کو ہنس کر رُخصت کر دوں سب کچھ مَیں نے ہنس کے سہا ہے
تُم بِن مجھ میں کچھ نہ رہے گا یوں بھی اب کیا خاک رہا ہے

دیکھو ! کِتنے کام پڑے ہیں اچّھا، اب مت دیر کرو. تُم !
کیسے جم کر رہ سے گئے ہو ؟ اِتنا مت اندھیر کرو تُم !

بولو ! تُم کو کیسے روکوں ؟ دُنیا سَو اِلزام دھرے گی
ایسے پاگل پیار کو ساتھی ! ساری خِلقت نام دھرے گی

آؤ ! مَیں اُلجھے بال سنواروں مجھ سے کوئی کام تو لے لو
پھر سے گلے اِک بار لگا کر پیار سے میرا نام تو لے لو

اچّھا ساتھی ! جاؤ سِدھارو اب کی اِتنے دِن نہ لگانا
پیاسی آنکھیں راہ تکیں گی ساجن ! جلدی لَوٹ کے آنا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیکن، ٹھہرو ٹھہرو ساتھی!
دِل کو ذرا تیّار تو کرلوں
آؤ مرے پردیسی ساجن!
آؤ، مَیں تم کو پیار تو کرلوں

اِتّحاد

یہ دیش کہ ہندو اور مُسلم تہذیبوں کا شیرازہ ہے
صدیوں کی پُرانی بات ہے یہ، پر آج بھی کتنی تازہ ہے
تاریخ ہے اِس کی ایک عمل، تحلیلوں کا ترکیبوں کا
سمبندھ وہ دو آدرشوں کا، سنجوگ وہ دو تہذیبوں کا
وہ ایک تڑپ، وہ ایک لگن، کچُھ کھونے کی، کچُھ پانے کی
وہ ایک طلب، دو رُوحوں کے اِک قالب میں ڈھل جانے کی
وہ شمعوں کی لَو پیچاں جیسے اِک شعلۂ نَو بن جانے کو
دو دھاریں جیسے مدرا کی بھرتی ہوئیں کسی پیمانے کو
یوں ایک تجلّی جاگ اُٹھی نظروں میں حقیقت والوں کی
جس طرح حدیں مل جاتی ہوں دو سمت سے دو اُجیالوں کی
آوازۂ حق، جب لہرا کر بھگتی کا ترانہ بنتا ہے
یہ ربطِ بہم، یہ جذبِ دروں خود ایک زمانہ بنتا ہے
چشتی کا، قطب کا ہر نعرہ یک رنگی میں ڈھل جاتا ہے
ہر دل پہ کبیر اور تُلسی کے دوہوں کا فسوں چل جاتا ہے
یہ فکر کی دولت رُوحانی وحدت کی لگن بن جاتی ہے
نانک کا کبت بن جاتی ہے، میرا کا بھجن بن جاتی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دِل دِل سے جو ہم آہنگ ہوئے ، اطوار ملے ، انداز ملے
اِک اور زباں تعمیر ہوئی ، الفاظ سے جب الفاظ ملے
یہ فکر و ادب کی رعنائی ، دُنیائے ادب کی جان بنی
یہ مِیر کا فن ، چکبستؔ کی لے ، غالبؔ کا امر دیوان بنی
تہذیب کی اِس یک جہتی کو اُردو کی شہادت کافی ہے
کچھ اور نشاں بھی ملتے ہیں ، تھوڑی سی بصیرت کافی ہے
تعمیر کے پردے میں بھی کئی بے لوث فسوں مل جاتے ہیں
رنبور کے مندر میں ہم کو مسجد کے ستوں مل جاتے ہیں
وحدت کی اِسی چنگاری سے دِل موم ہُوا ہے پتّھر کا
اجمیر کی جامع مسجد میں خود عکس ہے جینی مندر کا
پھر اور ذرا یہ فن بڑھ کر مانندِ غزل بن جاتا ہے
مرمر کی رُپہلی چاندی سے اک تاج محل بن جاتا ہے
یہ نقش بہم تہذیبوں کا مَوجود ہے سو تصویروں میں
منصورؔ ، منوہرؔ ، دولتؔ اور ہاشمؔ کی مُبک تحریروں میں
دِل ساتھ دھڑکتے آتے ہیں ، خود ساز پتا دے دیتے ہیں
ترتیب سُروں کی کیسی ہوئی ؟ خود ساز صدا دے دیتے ہیں
اِس وقت بھی ، جب اِک مُطرب کے ہونٹوں پہ "خیال" آجاتا ہے
سنگیت کی دیوی کے رُخ پر اک بار جمال آجاتا ہے
ٹُھمری کی رسیلی تانوں سے نغموں کی گھٹائیں آتی ہیں
چھڑتا ہے ستار اب بھی جو کہیں ، خسروؔ کی صدائیں آتی ہیں
سلِلے کی دمک کچھ کہتی ہے رقّاص کے رنگیں جوڑے میں
اِک گونج نئے انداز کی ہے کتھک کے دھمکتے توڑے میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مُرلی کی سُہانی سنگت کو طاؤس و رباب آجاتے ہیں
چمپا کے مہکتے پہلو میں خوش رنگ گلاب آجاتے ہیں
ذہنوں کی تہوں میں آج بھی ہے لہرا وہ حسیں شہنائی کا
اکبر کے جواں کاندھے پہ سجا، جب ڈولا جودھا بائی کا
ہر دین سے بڑھ کر، وہ رشتہ اُلفت کی جنوں سامانی کا
چہرے سے سرکتا وہ گھونگھٹ، تاروں سے حسیں مستانی کا
آپس کی یہ بڑھتی یک جہتی، اِک موڑ پہ جب رُک جاتی ہے
انسان کے آگے انساں کی اِک بار نظر جُھک جاتی ہے

اے ارضِ وطن! مغموم نہ ہو، پھر پیار کے چشمے پھوٹیں گے
یہ نسل و نسب کے پیمانے، یہ پیار کے درپن ٹوٹیں گے
ذہنوں کی گھٹن مِٹ جائے گی، انساں کا تفکّر جاگے گا
کل ایک مکمّل وحدت کا بے باک تصوّر جاگے گا
تعمیر نئی وحدت ہوگی، مانوتا کی بُنیادوں پر
اے ارضِ وطن! وِشواس تو کر اِک بار ہمارے وعدوں پر
اِس وحدت، اِس یک جہتی کی تعمیر کا دن ہم لائیں گے
صدیوں کے سُنہرے خوابوں کی تعبیر کا دن ہم لائیں گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شکستِ افسوں

چشمِ اِنساں کو لُبھاتا رہا راتوں کا جمال
نرم کرنوں میں اُلجھتی رہی پروازِ خیال
جگمگاتے رہے افلاک پہ انجم کے نگیں
چاند کو رشک سے تکتی رہی آدم کی زمیں
مَوج دَر مَوج رہی کاہکشاں کی تنویر
خواب آلود شعاعوں میں رہا ذہن اسیر
جھلملاتے رہے نظروں میں طلسمی انوار
فکر و احساس پہ چھاتا رہا زرّیں غبار
آج ظُلمت کا وہ شب تاب فسوں ٹوٹ گیا

آج تخئیل بناتی نہیں گردوں پہ محل
سرحدِ فکر پہ جلتے نہیں تاروں کے کنوَل
اب نہیں حُسنِ گماں، تابِ یقیں سے بہتر
سطحِ افلاک نہیں روئے زمیں سے بہتر
خواب آلود نہیں آج نگاہِ آدم
کروٹیں قلب میں لیتا ہے سحر کا عالم
آج سوئی ہوئی صدیوں کی زمیں جاگ اُٹھی
اُفقِ صُبح کی گل رنگ جبیں جاگ اُٹھی
آج ظُلمت کا وہ شب تاب فسوں ٹوٹ گیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِک زخمِ تمنّا اور سہی

یہ زخم ہی اپنا حصّہ ہیں ، اِن زخموں پر شرمائیں کیا ؟

کیوں کہتے ہوئے شرمائیں ہم ؟ دُنیا نے ہمیں ٹھکرایا ہے
ہر سانس میں ایسا لگتا ہے ، شعلہ سا کوئی لہرایا ہے
یہ سُرخ جو رہتی ہیں آنکھیں ، زخموں نے لہو چھلکایا ہے
دو گھاؤ ہوں جیسے چہرے پر ، خود دیکھ لو ، ہم دِکھلائیں کیا ؟
یہ زخم ہی اپنا حصّہ ہیں ، اِن زخموں پر شرمائیں کیا ؟

بے کار رہے اِک عمر تلک ، چاہا تھا ہمیں کچھ کام مِلے
کچھ آگ سے دہکے پیمانے ، کچھ زہر سے چھلکے جام مِلے
تھوڑی سی جو پی لی گھبرا کر ، کیا کیا نہ ہمیں اِلزام مِلے
ہم رندِ بلاکش کہلائے ، اب لوگوں کو سمجھائیں کیا ؟
یہ زخم ہی اپنا حصّہ ہیں ، اِن زخموں پر شرمائیں کیا ؟

جھیلی ہے سزا خودداری کی ، پر ہاتھ نہیں پھیلائے ہیں
اَوروں کے لیے ہر درد سہا ، اِس پر بھی بُرے کہلائے ہیں
تیروں کا جنھیں فن سِکھلایا ، خود تیر اُنھیں سے کھائے ہیں
جو زخم مِلے ہیں اپنوں سے ، اُن زخموں کو گنوائیں کیا ؟
یہ زخم ہی اپنا حصّہ ہیں ، اِن زخموں پر شرمائیں کیا ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آتی تھیں صدائیں جن کی کبھی خلوتِ دِل کے تاروں سے
ہم بھاں جھڑکتے تھے جن پر، یاری نہ نبھی اُن یاروں سے
یہ زخم جو دِل نے کھائے ہیں، گہرے ہیں کہیں تلواروں سے
معلوم نہ ہو جب اپنی خطا، ہم عُذر بھی لے کر جائیں کیا ؟
یہ زخم ہی اپنا حِصّہ ہیں، اِن زخموں پر شرمائیں کیا ؟

خود اپنی نظر میں چور بنے، لائے تھے لگن پروانوں کی
معلوم ہُوا، یہ دُنیا ہے عیّار سیاست دانوں کی
ہم دشتِ جنوں کے دیوانے، کیا قدر یہاں دِیوانوں کی
گھر پھونک تماشا دیکھا ہے، ان باتوں کو دُہرائیں کیا ؟
یہ زخم ہی اپنا حِصّہ ہیں، اِن زخموں پر شرمائیں کیا ؟

مانا کہ بہاریں آئیں گی، کاغذ کے ابھی گُل بوٗٹے ہیں
کچھ اپنے رہبر ساتھی بھی کچھ اصلی، باقی جھوٗٹے ہیں
ہر موڑ پہ اپنے تلوؤں میں، کچھ اور بھی کانٹے ٹوٹے ہیں
جو ہے، وہ حقیقت کیوں نہ کہیں؟ یہ زہر بھی ہم پی جائیں کیا؟
یہ زخم ہی اپنا حِصّہ ہیں، اِن زخموں پر شرمائیں کیا؟

جو زخم مِلے اِن آنکھوں کو، نظروں کی جِلا کہلائے ہیں
جو زخم مِلے اِن ہاتھوں کو، محنت کا صِلا کہلائے ہیں
جو زخم مِلے اِس سینے کو، اِنعامِ وفا کہلائے ہیں
کیا خوب حسیں تاویلیں ہیں؟ پر جان کے دھوکا کھائیں کیا؟
یہ زخم ہی اپنا حِصّہ ہیں، اِن زخموں پر شرمائیں کیا؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِن جلتے تپتے زخموں کو، سینے سے لگا کر پالا ہے
ہر شعلۂ خونِ دِل اپنا، اشعار میں ہم نے ڈھالا ہے
لَو دیتے ہوئے اِن لفظوں کو، پر کون پرکھنے والا ہے؟

جب ناقدِ سوزِ دِل ہی نہ ہوں، ہم دادِ سخن کی پائیں کیا؟
یہ زخم ہی اپنا حِصّہ ہیں، اِن زخموں پر شرمائیں کیا؟

دُنیا سے تو کتنے شکوے ہیں، اِک تم سے شکوا اور سہی
سَو درد بسے ہیں اِس دِل میں، اِک داغ تمھارا اور سہی
اِک زخمِ محبّت اور سہی، اِک زخمِ تمنّا اور سہی

تم، سچ ہے، ہمیں اپناؤ کیا؟ ہم، سچ ہے، تمھیں اپنائیں کیا؟
یہ زخم ہی اپنا حِصّہ ہیں، ان زخموں پر شرمائیں کیا؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فیضؔ - فیض احمد ۱۳ر فروری ۱۹۱۱ء ۲۰ر نومبر ۱۹۸۴ء

یاد

دشتِ تنہائی میں، اے جانِ جہاں ! لرزاں ہیں
تیری آواز کے سائے، تیرے ہونٹوں کے سراب
دشتِ تنہائی میں، دُوری کے خس و خاک تلے
کھل رہے ہیں ترے پہلو کے سمن اور گُلاب

اُٹھ رہی ہے کہیں قربت سے تری سانس کی آنچ
اپنی خوشبو میں سُلگتی ہوئی مدّھم مدّھم
دُور اُفق پار، چمکتی ہوئی قطرہ قطرہ
گر رہی ہے ترے دِلدار نظر کی شبنم

اِس قدر پیار سے اے جانِ جہاں! رکھّا ہے
دِل کے رُخسار پہ اِس وقت تری یاد نے ہات
یوں گُماں ہوتا ہے، گرچہ ہے ابھی صُبحِ فراق
ڈھل گیا ہجر کا دِن، آ بھی گئی وصل کی رات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نثار میں تری گلیوں پہ...

نثار مَیں تری گلیوں پہ اے وطن! کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چُرا کے چلے، جسم و جاں بچا کے چلے

ہے اہلِ دل کے لیے اب یہ نظمِ بست و کشاد
کہ سنگ و خشت مُقیّد ہیں اور سگ آزاد

بہت ہے ظلم کے دستِ بہانہ جُو کے لیے
جو چند اہلِ جنوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہلِ ہوس مُدّعی بھی مُنصِف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے مُنصفی چاہیں

مگر گزارنے والوں کے دِن گزرتے ہیں
ترے فراق میں یوں صُبح و شام کرتے ہیں

بُجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اُٹھے ہیں سلاسل، تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رُخ پر بکھر گئی ہوگی

غرض تصوّرِ شام و سحر میں جیتے ہیں
گرفتِ سایۂ دیوار و در میں جیتے ہیں

یوں ہی ہمیشہ اُلجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے، نہ اُن کی ریت نئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یوں ہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی

اِسی سبب سے فلک کا گِلا نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دِل بُرا نہیں کرتے
گر آج تجھ سے جُدا ہیں، تو کل بہم ہوں گے
یہ رات بھر کی جُدائی تو کوئی بات نہیں
گر آج اوج پہ ہے طالعِ رقیب تو کیا؟
یہ چار دِن کی خُدائی تو کوئی بات نہیں

جو تجھ سے عہدِ وفا استوار رکھتے ہیں
عِلاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں

تنہائی

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں، کوئی نہیں
راہ رَو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چُکی رات، بِکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اِک راہ گزر
اجنبی خاک نے دھُندلا دِیے قدموں کے سُراغ
گُل کرو شمعیں، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ!
اپنے بے خواب کواڑوں کو مُقفّل کر لو!
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا۔

—:—

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

تیرے ہونٹوں کے پھولوں کی چاہت میں ہم
دار کی خشک ٹہنی پہ وارے گئے
تیرے ہاتھوں کی شمعوں کی حسرت میں ہم
نیم تاریک راہوں میں مارے گئے
سُولیوں پر ہمارے لبوں سے پرے
تیرے ہونٹوں کی لالی لپکتی رہی
تیری زُلفوں کی مستی برستی رہی
تیرے ہاتھوں کی چاندی دمکتی رہی

جب گھُلی تیری راہوں میں شامِ ستم
ہم چلے آئے، لائے جہاں تک قدم
لب پہ حرفِ غزل، دِل میں قندیلِ غم
اپنا غم تھا گواہی ترے حُسن کی
دیکھ قائم رہے اِس گواہی پہ ہم
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

نارسائی اگر اپنی تقدیر تھی
تجُھ سے اُلفت تو اپنی ہی تدبیر تھی
کِس کو شِکوہ ہے، گر شَوق کے سلسلے
ہجر کی قتل گاہوں سے سب جا ملے
قتل گاہوں سے چُن کر ہمارے عَلم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور نکلیں گے عُشّاق کے قافلے
جن کی راہِ طلب سے ہمارے قدم
مختصر کر چلے درد کے فاصلے
کر چلے جن کی خاطر جہاں گیر ہم
جاں گنوا کر تری دلبری کا بھرم
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

دُعا

آئیے! ہاتھ اُٹھائیں ہم بھی
ہم جنھیں سوزِ محبّت کے سوا
ہم جنھیں رسمِ دعا یاد نہیں
کوئی بُت، کوئی خُدا یاد نہیں

آئیے! عرض گزاریں کہ نگارِ ہستی
زہرِ اِمروز میں شیرینیٔ فردا بھر دے
وہ، جنھیں تابِ گراں باریٔ ایّام نہیں
اُن کی پلکوں پہ شب و روز کو ہلکا کر دے

جن کی آنکھوں کو رُخِ صُبح کا یارا بھی نہیں
اُن کی راتوں میں کوئی شمع مُنوّر کر دے
جن کے قدموں کو کسی رہ کا سہارا بھی نہیں
اُن کی نظروں میں کوئی راہ اُجاگر کر دے

جن کا دیں پیرویٔ کِذب و ریا ہے، اُن کو
ہمّتِ کفر ملے، جُراَتِ تحقیق ملے
جن کے سر مُنتظرِ تیغِ جفا ہیں اُن کو
دستِ قاتل کو جھٹک دینے کی توفیق ملے

عِشق کا سِرِّ نہاں جانِ تپاں ہے جس سے
آج اِقرار کریں اور تپش مِٹ جائے
حرفِ حق دِل میں کھٹکتا ہے جو کانٹے کی طرح
آج اِظہار کریں اور خلش مِٹ جائے

(یومِ آزادی، ۱۴ اگست ۱۹۶۷ء)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صبحِ آزادی

یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ اِنتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں، جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار، کہ مِل جائے گی کہیں نہ کہیں

فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شبِ سُست موج کا ساحل
کہیں تو جاکے رُکے گا سفینۂ غمِ دل
جواں لہو کی پُراسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار، تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے؟
دیارِ حُسن کی بے صبر خواب گاہوں سے
پُکارتی رہیں باہیں، بدن بُلاتے رہے
بہت عزیز تھی لیکن رُخِ سحر کی لگن
بہت قریں تھا حسینانِ نور کا دامن
سُبک سُبک تھی تمنّا، دبی دبی تھی تھکن

سُنا ہے، ہو بھی چکا ہے فراقِ ظُلمت و نُور
سُنا ہے، ہو بھی چُکا ہے وصالِ منزل وگام
بدل چُکا ہے بہت اہلِ درد کا دستور
نشاطِ وصل حلال و عذابِ ہجر حرام

جگر کی آگ، نظر کی امنگ، دِل کی جلن
کِسی پہ چارۂ ہجراں کا کچھ اثر ہی نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہاں سے آئی نگارِ صبا؟ کدھر کو گئی؟
ابھی چراغِ سرِ رہ کو کچھ خبر ہی نہیں
ابھی گرانیِ شب میں کمی نہیں آئی
نجاتِ دیدہ و دِل کی گھڑی نہیں آئی
بڑھے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

تمہارے حُسن کے نام

سلام لکھتا ہے شاعر تمہارے حُسن کے نام
بکھر گیا جو کبھی رنگِ پیرہن سرِ بام
نکھر گئی ہے کبھی صُبح، دوپہر، کبھی شام
کہیں جو قامتِ زیبا پہ سج گئی ہے قبا
چمن میں سرو و صنوبر سنور گئے ہیں تمام
بنی بساطِ غزل، جب ڈبو لیے دِل نے
تمہارے سایۂ رُخسار و لب میں ساغر و جام
سلام لکھتا ہے شاعر تمہارے حُسن کے نام
تمہارے ہاتھ پہ ہے تابشِ حنا جب تک
جہاں میں باقی ہے دِلداریِ عروسِ سُخن
تمہارا حُسن جواں ہے تو مہرباں ہے فلک
تمہارا دم ہے تو دمساز ہے ہوائے وطن
اگرچہ تنگ ہیں اوقات، سخت ہیں آلام
تمہاری یاد سے شیریں ہے تلخیِ ایام
سلام لکھتا ہے شاعر تمہارے حُسن کے نام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چند روز اور مری جان!

چند روز اور مری جان! فقط چند ہی روز
ظُلم کی چھاؤں میں دم لینے پہ مجبور ہیں ہم
اور کچھ دیر ستم سہہ لیں، تڑپ لیں، رو لیں
اپنے اجداد کی میراث ہے، معذور ہیں ہم
جسم پر قید ہے، جذبات پہ زنجیریں ہیں
فکر محبوس ہے، گفتار پہ تعزیریں ہیں
اپنی ہمّت ہے کہ ہم پھر بھی جیے جاتے ہیں
زندگی کیا کسی مُفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند سیے جاتے ہیں
لیکن اب ظُلم کی میعاد کے دن تھوڑے ہیں
اک ذرا صبر، کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں
عرصۂ دہر کی جُھلسی ہوئی ویرانی میں
ہم کو رہنا ہے، پہ یوں ہی تو نہیں رہنا ہے
اجنبی ہاتھوں کا بے نام، گراں بار ستم
آج سہنا ہے، ہمیشہ تو نہیں سہنا ہے
یہ تیرے حُسن سے لپٹی ہوئی آلام کی گرد
اپنی دو روزہ جوانی کی شکستوں کا غبار
چاندنی راتوں کا بیکار دہکتا ہوا درد
دل کی بے سود تڑپ، جسم کی مایوس پکار
چند روز اور مری جان! فقط چند ہی روز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مجھ سے پہلی سی محبّت مری محبوب! نہ مانگ

مُجھ سے پہلی سی محبّت، مِری محبوب! نہ مانگ
میں نے سمجھا کہ جو تُو ہے، تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے، تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے؟
تیری صوُرت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دُنیا میں رکھّا کیا ہے؟
تو جو مِل جائے، تو تقدیر نگوُں ہو جائے
یوُں نہ تھا، مَیں نے فقط چاہا تھا، یوُں ہو جائے
اَور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبّت کے سِوا
راحتیں اَور بھی ہیں وصل کی راحت کے سِوا
ان گِنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طِلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بُنوائے ہوُئے
جا بہ جا بِکتے ہوُئے کوُچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوُئے، خوُن میں نہلائے ہوُئے
جسم نکلے ہوُئے امراض کے تنّوروں میں
پیپ بہتی ہوُئی گلتے ہوُئے ناسوُروں میں
لوَٹ جاتی ہے اُدھر کو بھی نظر، کیا کیجے؟
اب بھی دِلکش ہے ترا حُسن، مگر کیا کیجے؟
اَور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبّت کے سِوا
راحتیں اَور بھی ہیں، وصل کی راحت کے سِوا
مُجھ سے پہلی سی محبّت مِری محبوب! نہ مانگ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

موضوعِ سُخن

گُل ہُوئی جاتی ہے، افسُردہ، سُلگتی ہُوئی شام
ڈُھل کے نِکلے گی ابھی چشمۂ مہتاب سے رات
اَور، مُشتاق نِگاہوں کی سُنی جائے گی
اَور اُن ہاتھوں سے مس ہوں گے یہ ترسے ہُوئے بات

اُن کا آنچل ہے؟ کہ رُخسار، کہ پیراہن ہے؟
کُچھ تو ہے، جس سے ہُوئی جاتی ہے چِلمن رنگیں
جانے اُس زُلف کی مَوہُوم، گھنی چھاؤں میں
ٹِمٹِماتا ہے وہ آویزہ ابھی تک، کہ نہیں

آج پھر حُسنِ دلآرا کی وہی دھج ہو گی
وہی خوابیدہ سی آنکھیں، وہی کاجل کی لکیر
رنگِ رُخسار پہ ہلکا سا وہ غازے کا غُبار
صندلی ہاتھوں پہ دُھندلی سی حِنا کی تحریر

اپنے افکار کی، اشعار کی دُنیا ہے یہی
جانِ مضموں ہے یہی، شاہدِ معنیٰ ہے یہی
آج تک سُرخ و سِیہ صدیوں کے سائے کے تلے
آدم و حوّا کی اَولاد پہ کیا گُزری ہے؟
مَوت اَور زِیست کی روزانہ صف آرائی میں
ہم پہ کیا گُزرے گی؟ اجداد پہ کیا گُزری ہے؟

اِن دمکتے ہُوئے شہروں کی فراواں مخلُوق
کیوں فقط مرنے کی حسرت میں جیا کرتی ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ حسیں کھیت، پھٹا پڑتا ہے جوبن جن کا
کس لیے؟ اِن میں فقط بھوک اُگا کرتی ہے؟

یہ ہر اک سمت پُر اسرار کڑی دیواریں
جل بُجھے جن میں ہزاروں کی جوانی کے چراغ
یہ ہر اک گام پہ اُن خوابوں کی مقتل گاہیں
جن کے پرتو سے چراغاں ہیں ہزاروں کے دماغ

یہ بھی ہیں، ایسے کئی اَور بھی مضموں ہوں گے
لیکن اُس شوخ کے آہستہ سے کُھلتے ہوئے ہونٹ
ہائے! اُس جسم کے کمبخت دلآویز خطوط
آپ ہی کہیے! کہیں ایسے بھی افسوں ہوں گے؟

اپنا موضوعِ سُخن اِن کے سِوا اَور نہیں
طبعِ شاعر کا وطن، اِن کے سِوا اَور نہیں

بول

بول! کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول! زباں اب تک تیری ہے
تیرا سُتواں جسم ہے تیرا
بول! کہ جاں اب تک تیری ہے

دیکھ! کہ آہن گر کی دُکاں میں
تُند ہیں شُعلے، سُرخ ہے آہن
کُھلنے لگے قُفلوں کے دہانے
پھیلا ہر اِک زنجیر کا دامن

بول! یہ تھوڑا وقت بہت ہے
جسم و زباں کی مَوت سے پہلے
بول! کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول! جو کچھ کہنا ہے کہہ لے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دو عشق

تازہ ہیں ابھی یاد میں اے ساقیِ گلفام ! / وہ عکسِ رُخِ یار سے لہکے ہُوئے ایّام
وہ پھُول سی کھلتی ہُوئی دیدار کی ساعت / وہ، دِل سا دھڑکتا ہُوا، اُمّید کا ہنگام

اُمّید، کہ لو جاگا ! غمِ دل کا سفینہ / لو! شوق کی ترسی ہُوئی شب ہو گئی آخر
لو ڈوب گئے درد کے بے خواب ستارے ! / اب چمکے گا بے صبر نگاہوں کا مُقدّر

اُس بام سے نکلے گا ترے حُسن کا خورشید / اِس کُنج سے پھُوٹے گی کِرن رنگِ حنا کی
اِس در سے بہے گا تری رفتار کا سیماب / اِس راہ پہ پھُولے گی شفق تیری قبا کی

پھر دیکھے ہیں وہ ہجر کے تپتے ہُوئے دن بھی / جب فکرِ دِل وجاں میں فغاں بھُول گئی ہے
ہر شب وہ سیہ بوجھ کہ دِل بیٹھ گیا ہے / ہر صُبح کی لَو تیر سی سینے میں لگی ہے

تنہائی میں کیا کیا نہ تجھے یاد کیا ہے / کیا کیا نہ دلِ زار نے ڈھونڈی ہیں پناہیں
آنکھوں سے لگایا ہے کبھی دستِ صبا کو / ڈالی ہیں کبھی گردنِ مہتاب میں باہیں

۲

چاہا ہے اِسی رنگ میں لیلائے وطن کو / تڑپا ہے اِسی طور سے دِل اُس کی لگن میں
ڈھونڈی ہے یوں ہی شوق نے آسائشِ منزل / رُخسار کے خم میں، کبھی کاکُل کی شکن میں

اس جانِ جہاں کو بھی یُوں ہی قلب و نظر نے / ہنس ہنس کے صدا دی، کبھی رو رو کے پُکارا
پُورے کیے سب حرفِ تمنّا کے تقاضے / ہر درد کو اُجیالا، ہر اِک غم کو سنوارا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا — تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں — سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے، سو گزری — تنہا پسِ زنداں، کبھی رسوا سرِ بازار
گرجے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر — کڑکے ہیں بہت اہلِ حکم برسرِ دربار

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام — چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت
اس عشق پہ، اس عشق پہ، نادم ہے مگر دل — ہر داغ ہے اس دل میں، بجز داغِ ندامت

طوق و دار کا موسم

روشِ روش ہے وہی طوق و دار کا موسم — نہیں ہے کوئی بھی موسم، بہار کا موسم
گراں ہے دل پہ غمِ روزگار کا موسم — ہے آزمائشِ حسنِ نگار کا موسم
خوشا نظارۂ رخسارِ یار کی ساعت — خوشا قرارِ دلِ بے قرار کا موسم
حدیثِ بادہ و ساقی نہیں، تو کس مصرف — خرامِ ابرِ سرِ کوہسار کا موسم؟
نصیبِ صحبتِ یاراں نہیں تو کیا کیجے؟ — یہ رقصِ سایۂ سرو و چنار کا موسم
یہ دل کے داغ تو دکھتے تھے یوں بھی، پر کم کم — کچھ اب کے اور ہے ہجرانِ یار کا موسم
یہی جنوں کا، یہی طوق و دار کا موسم — یہی ہے جبر، یہی اختیار کا موسم
قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں — چمن میں آتشِ گل کے نکھار کا موسم
صبا کی مست خرامی تہِ کمند کریں — اسیرِ دام نہیں ہے، بہار کا موسم
بلا سے ہم نے نہ دیکھا، تو اور دیکھیں گے
فروغِ گلشن و صوتِ ہزار کا موسم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زنداں کی ایک شام

شام کے پیچ و خم، ستاروں سے
زینہ زینہ اُتر رہی ہے رات
یوں صبا پاس سے گزرتی ہے
جیسے کہہ دی کسی نے پیار کی بات
صحنِ زنداں کے بے وطن اشجار
سرنگوں محو ہیں بنانے میں
دامنِ آسماں پہ نقش و نگار

شانۂ بام پر دمکتا ہے
مہرباں چاندنی کا عکسِ جمیل
خاک میں گھل گئی ہے آبِ نجوم
نور میں گھل گیا ہے عرش کا نیل
سبز گوشوں میں نیلگوں سائے
لہلہاتے ہیں، جس طرح دل میں
موجِ دردِ فراقِ یار آئے

دل سے پیہم خیال کہتا ہے
اتنی شیریں ہے زندگی اس پل
ظلم کا زہر گھولنے والے
کامراں ہو سکیں گے آج نہ کل
جلوہ گاہِ وصال کی شمعیں
وہ بجھا بھی چکے اگر، تو کیا؟
چاند کو گل کریں تو ہم جانیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

موتی ہو کہ شیشہ، جام کہ دُر — جو ٹوٹ گیا، سو ٹوٹ گیا
کیا اشکوں سے جُڑ سکتا ہے ؟ — جو ٹوٹ گیا، سو ٹوٹ گیا

تُم ناحق ٹکڑے چُن چُن کر — دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں — کیا آس لگائے بیٹھے ہو؟

شاید کہ اِنھیں ٹکڑوں میں کہیں — وہ ساغرِ دل ہے، جس میں کبھی
صد ناز سے اُترا کرتی تھی — صہبائے غمِ جاناں کی پری

پھر دُنیا والوں نے تُم سے — یہ ساغر لے کر توڑ دیا
جو مے تھی، بہادی مٹّی میں — مہمان کا شہپر توڑ دیا

یہ رنگیں ریزے ہیں شاید — اُن شوخ بلوریں سپنوں کے
تم مست جوانی میں جن سے — خلوت کو سجایا کرتے تھے

ناداری، دفتر، بھوک اور غم — اُن سپنوں سے ٹکراتے رہے
بے رحم تھا چومکھ پتھراؤ — یہ کانچ کے ڈھانچے کیا کرتے؟

یا شاید اِن ذرّوں میں کہیں — موتی ہے تمھاری عزّت کا
وہ، جس سے تمھارے عجز پہ بھی — شمشاد قدوں نے رشک کیا

اُس مال کی دُھن میں پھرتے تھے — تاجر بھی بہت، رہزن بھی کئی
ہے چور نگر، یاں مفلس کی — گر جان بچی، تو آن گئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ ساغر، شیشے، لعل و گہر سالم ہوں، تو قیمت پاتے ہیں
یوں ٹکڑے ٹکڑے ہوں، تو فقط چبھتے ہیں، لہو رُلواتے ہیں

تم ناحق ٹکڑے چُن چُن کر دامن میں چُھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کیا آس لگائے بیٹھے ہو؟

یادوں کے گریبانوں کے رفو پر دل کی گزر کب ہوتی ہے؟
اِک بخیہ اُدھیڑا، ایک سیا یوں، عمر بسر کب ہوتی ہے؟

اِس کارگہِ ہستی میں جہاں یہ ساغر، شیشے ڈھلتے ہیں
ہر شے کا بدل مل سکتا ہے سب دامن پُر ہو سکتے ہیں

کب لوٹ جھپٹ سے ہستی کی دُکانیں خالی ہوتی ہیں
یاں پربت پربت ہیرے ہیں یاں ساگر ساگر موتی ہیں

کچھ لوگ جو ہیں اِس دولت پر پردے لٹکاتے پھرتے ہیں
ہر پربت کو، ہر ساگر کو نیلام چڑھاتے پھرتے ہیں

کچھ وہ بھی ہیں، جو لڑ بھڑ کر یہ پردے نوچ گراتے ہیں
ہستی کے اُٹھائی گیروں کی ہر چال اُلجھائے پھرتے ہیں

اِن دونوں میں رن پڑتا ہے نت بستی بستی، نگر نگر
ہر بستے گھر کے سینے پر ہر چلتی راہ کے ماتھے پر

یہ کالک بھرتے پھرتے ہیں وہ جوت جگاتے پھرتے ہیں
یہ آگ لگاتے پھرتے ہیں وہ آگ بجھاتے پھرتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سب ساغر، شیشے، لعل و گُہر اِسی بازی میں بد جاتے ہیں
اُٹھو! سب خالی ہاتھوں کو اِس رن سے بُلاوے آتے ہیں

ہم لوگ

دِل کے اَیواں میں، لِیے گُل شدہ شمعوں کی قطار
نورِ خورشید سے سہمے ہُوئے، اُکتائے ہُوئے
حُسنِ محبوب کے سیّال تصوّر کی طرح
اپنی تاریکی کو بھینچے ہُوئے، لپٹائے ہُوئے

غایتِ سُود و زیاں، صورتِ آغاز و مآل
وہی بے سُود تجسّس، وہی بیکار سوال
مُضمحِل ساعتِ اِمروز کی بے رنگی سے
یادِ ماضی سے غمیں، دہشتِ فردا سے نِڈھال
تِشنہ افکار، جو تسکین نہیں پاتے ہیں
سوختہ اشک، جو آنکھوں میں نہیں آتے ہیں
اِک کڑا درد کہ جو گیت میں ڈھلتا ہی نہیں
دِل کے تاریک شگافوں سے نِکلتا ہی نہیں
اَور اِک اُلجھی ہُوئی، مَوہوم سی، درماں کی تلاش
دشت و زِنداں کی ہَوس، چاکِ گریباں کی تلاش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساحر لدھیانوی ۔ عبدالحئی ۸ر مارچ ۱۹۲۱ء ۲۵ر اکتوبر ۱۹۸۰ء

تاج محل

تاج تیرے لیے اِک مظہرِ اُلفت ہی سہی
تُجھ کو اِس وادیِ رنگیں سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب! کہیں اور مِلا کر مُجھ سے

بزمِ شاہی میں غریبوں کا گُزر، کیا معنی؟
ثبت جس راہ پہ ہوں سطوتِ شاہی کے نِشاں
اُس پہ اُلفت بھری رُوحوں کا سفر، کیا معنی؟

میری محبوب! پسِ پردۂ تشہیرِ وفا
تُو نے سطوت کے نِشانوں کو تو دیکھا ہوتا
مُردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی!
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا

اَن گِنت لوگوں نے دُنیا میں محبّت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادِق نہ تھے جذبے اُن کے
لیکن اُن کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیوں کہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مُفلِس تھے

یہ عمارات و مقابر، یہ فصیلیں، یہ حِصار
مُطلق الحُکم شہنشاہوں کی عظمت کے سُتون
سینۂ دہر کے ناسُور ہیں، کُہنہ ناسُور
جذب ہے اِن میں ترے اور مرے اجداد کا خُوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مِری محبوب! اُنھیں بھی تو محبّت ہو گی
جن کی صنّاعی نے بخشی ہے اِسے شکلِ جمیل
اُن کے پیاروں کے مقابِر رہے بے نام و نمُود
آج تک اُن پہ جلائی نہ کِسی نے قندیل

یہ چمن زار، یہ جمنا کا کنارا، یہ محل
یہ مُنقّش در و دیوار، یہ محراب، یہ طاق
اِک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبّت کا اُڑایا ہے مذاق

میری محبوب! کہیں اَور مِلا کر مجھ سے

اَے شریف اِنسانو!

(ہندوستان اَور پاکِستان کی جنگ کے پس منظر میں لِکھی گئی اَور مُعاہدہ تاشقند کی سال گرہ پر نشر کی گئی۔)

خُون اپنا ہو، یا پرایا ہو — نسلِ آدم کا خُون ہے آخر
جنگ، مشرِق میں ہو، کہ مغرب میں — امنِ عالم کا خُون ہے آخر
بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر — رُوحِ تعمیر، زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں، کہ غیروں کے — زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
ٹینک آگے بڑھیں، کہ پیچھے ہٹیں — کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو، کہ ہار کا سوگ — زندگی مَیّتوں پہ روتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے — جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی؟
آگ اَور خُون آج بخشے گی — بھوک اَور اِحتیاج کل دے گی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِس لیے اے شریف اِنسانو ! جنگ ٹلتی رہے ، تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں آپ اور ہم سبھی ، تو بہتر ہے

(۲)

برتری کے ثبوت کی خاطر خوں بہانا ہی کیا ضروری ہے؟
گھر کی تاریکیاں مٹانے کو گھر جلانا ہی کیا ضروری ہے؟
جنگ کے اور بھی تو میداں ہیں صِرف میدانِ کُشت و خوں ہی نہیں
حاصِلِ زِندگی خِرد بھی ہے حاصِلِ زِندگی جُنوں ہی نہیں
آؤ ! اِس تیرہ بخت دُنیا میں فِکر کی رَوشنی کو عام کریں
امن کو جن سے تقوِیت پہنچے ایسی جنگوں کا اِہتمام کریں
جنگ ، وحشت سے ، بربرّیت سے امن ، تہذِیب و اِرتقا کے لِیے
جنگ مرگ آفریں سیاست سے امن ، اِنسان کی بقا کے لِیے
جنگ ، اِفلاس اور غُلامی سے امن ، بہتر نِظام کی خاطِر
جنگ ، بھٹکی ہوئی قیادت سے امن ، بے بس عوام کی خاطِر
جنگ ، سرمائے کے تسلُّط سے امن ، جمہور کی خوشی کے لِیے
جنگ ، جنگوں کے فلسفے کے خِلاف امن ، پُرامن زِندگی کے لِیے

جشنِ غالب

اِکتیس برس گُزرے آزادیِ کامِل کو تب جا کے کہیں ہم کو غالب کا خیال آیا
تُربت ہے کہاں اُس کی؟ مسکن ہے کہاں اُس کا؟ اب اپنے سُخن پرور ذہنوں میں سوال آیا
سَو سال سے جو تُربت چادر کو ترستی تھی اب اُس پہ عقیدت کے پھُولوں کی نُمائش ہے
اُردُو کے تعلُّق سے یہ بھید نہیں کھُلتا یہ جشن ، یہ ہنگامہ خِدمت ہے کہ سازش ہے
جن شہروں میں گونجی تھی غالب کی نوا برسوں اُن شہروں میں اب اُردُو بے نام و نِشاں ٹھہری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزادیِ کامل کا اِعلان ہُوا جس دِن
معتوب زباں ٹھہری، غدّار زباں ٹھہری

جس عہدِ سیاست نے یہ زِندہ زباں کُچلی
اُس عہدِ سیاست کو مرحوموں کا غم کیوں ہے ؟

غالب جِسے کہتے ہیں، اردو ہی کا شاعر تھا
اردو پہ سِتم ڈھا کر غالب پہ کرم کیوں ہے ؟

یہ جشن، یہ ہنگامہ، دِل چسپ کِھلونے ہیں
کُچھ لوگوں کی کوشِش ہے، کُچھ لوگ بہل جائیں

جو وعدۂ فردا پر اب ٹل نہیں سکتے
مُمکن ہے کہ کُچھ عرصہ اِس جشن پہ ٹل جائیں

یہ جشن مُبارک ہو، پر یہ بھی صداقت ہے
ہم لوگ حقیقت کے اِحساس سے عاری ہیں

گاندھی ہو کہ غالب ہو، اِنصاف کی نظروں میں
ہم دونوں کے قاتِل ہیں، دونوں کے پُجاری ہیں

آؤ کہ کوئی خواب بُنیں

آؤ! کہ آج غور کریں اِس سوال پر
دیکھے تھے ہم نے جو، وہ حسیں خواب کیا ہوئے ؟

دولت بڑھی، تو مُلک میں اِفلاس کیوں بڑھا؟
خوش حالیِ عوام کے اسباب کیا ہوئے ؟

جو اپنے ساتھ ساتھ چلے کُوئے دار تک
وہ دوست، وہ رفیق، وہ احباب کیا ہوئے ؟

کیا مول لگ رہا ہے شہیدوں کے خُون کا ؟
مرتے تھے جِن پہ ہم، وہ سزایاب کیا ہوئے ؟

بے کس برہنگی کو کفن تک نہیں نصیب
وہ وعدہ ہائے اطلس و کمخواب کیا ہوئے ؟

جمہوریت نواز، بشر دوست، امن خواہ
خود کو جو خود دِیے تھے، وہ القاب کیا ہوئے ؟

مذہب کا روگ آج بھی کیوں لاعِلاج ہے ؟
وہ نُسخہ ہائے نادِر و نایاب کیا ہوئے ؟

ہر کوچہ شُعلہ زار ہے، ہر شہر قتل گاہ
یک جہتیِ حیات کے آداب کیا ہوئے ؟

صحرائے تیرگی میں بھٹکتی ہے زِندگی
اُبھرے تھے جو اُفق پہ، وہ مہتاب کیا ہوئے ؟

مُجرِم ہُوں میں اگر، تو گُنہگار تُم بھی ہو
اے رہبرانِ قوم! خطاکار تُم بھی ہو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خون پھر خون ہے

"ایک مقتول لوممبا ایک زندہ لوممبا سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے"۔ جواہر لال نہرو

ظلم پھر ظلم ہے ، بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ، ٹپکے گا تو جم جائے گا

خاکِ صحرا پہ جمے ، یا کفِ قاتل پہ جمے
فرقِ انصاف پہ ، یا پائے سلاسل پہ جمے
تیغِ بیداد پہ ، یا لاشۂ بسمل پہ جمے
خون پھر خون ہے ، ٹپکے گا تو جم جائے گا

لاکھ بیٹھے کوئی چھپ چھپ کے کمیں گاہوں میں
خون خود دیتا ہے جلاّدوں کے مسکن کا سراغ
سازشیں لاکھ اڑھاتی رہیں ظلمت کے نقاب
لے کے ہر بوند نکلتی ہے ہتھیلی پہ چراغ

ظلم کی قسمتِ ناکارہ و رسوا سے کہو !
جبر کی حکمتِ پُرکار کے ایما سے کہو !
محملِ مجلسِ اقوام کی لیلا سے کہو !

خون دیوانہ ہے ، دامن پہ ٹپک سکتا ہے
شعلۂ تند ہے ، خرمن پہ لپک سکتا ہے

تم نے جس خون کو مقتل میں دبانا چاہا
آج وہ کوچہ و بازار میں آ نکلا ہے
کہیں شعلہ ، کہیں نعرہ ، کہیں خنجر بن کے

خون چلتا ہے تو رکتا نہیں سنگینوں سے
سر اٹھاتا ہے تو دبتا نہیں آئینوں سے

ظلم کی بات ہی کیا ؟ ظلم کی اوقات ہی کیا ؟
ظلم بس ظلم ہے آغاز سے انجام تلک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خون پھر خون ہے، سو شکل بدل سکتا ہے   ایسی شکلیں کہ مٹاؤ تو مٹائے نہ بنے
ایسے شعلے کہ بجھاؤ تو بجھائے نہ بنے   ایسے نعرے کہ دباؤ تو دبائے نہ بنے

فن کار

میں نے جو گیت ترے پیار کی خاطر لکھے
آج اُن گیتوں کو بازار میں لے آیا ہوں

آج دُکّان پہ نیلام اُٹھے گا اُن کا
تو نے جن گیتوں پہ رکھّی تھی محبّت کی اساس
آج چاندی کی ترازو میں تُلے گی ہر چیز
میرے افکار، میری شاعری، میرا احساس

جو تری ذات سے منسوب تھے، اُن گیتوں کو
مُفلسی جنس بنانے پہ اُتر آئی ہے
بھوک تیرے رُخِ رنگیں کے فسانوں کے عوض
چند اشیائے ضرورت کی تمنّائی ہے

دیکھ! اِس عرصہ گہِ محنت و سرمایہ میں
میرے نغمے بھی مرے پاس نہیں رہ سکتے
تیرے جلوے کسی زردار کی میراث سہی
تیرے خاکے بھی میرے پاس نہیں رہ سکتے

آج اُن گیتوں کو بازار میں لے آیا ہوں
میں نے جو گیت ترے پیار کی خاطر لکھے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نورجہاں کے مزار پر

پہلوئے شاہ میں یہ دخترِ جمہور کی قبر
کتنے خوں ریز حقائق سے اُٹھاتی ہے نقاب
کیسے مغرور شہنشاہوں کی تسکیں کے لیے
کیسے بھکی ہوئی نظروں کے تعیّش کے لیے
کیسے ہر شاخ سے مُنھ بند مہکتی کلیاں
اور مُرجھا کے بھی آزاد نہ ہو سکتی تھیں
کیسے اِک فرد کے ہونٹوں کی ذراسی جُنبش
لوٹ سکتی تھی دمکتے ہوئے ماتھوں کا سُہاگ
سہمی سہمی سی فضاؤں میں یہ ویراں مرقد
سرد شانوں میں ہوا چیخ رہی ہے ایسے
تو مری جان! مجھے حیرت و حسرت سے نہ دیکھ!
تو، مجھے چھوڑ کے، ٹھکرا کے بھی جا سکتی ہے

کتنے گم گشتہ فسانوں کا پتا دیتی ہے
کتنی کُچلی ہوئی جانوں کا پتا دیتی ہے
سال ہا سال حسیناؤں کے بازار لگے
سُرخ محلوں میں جواں جسموں کے انبار لگے
نوچ لی جاتی تھیں تزئینِ حرم کی خاطر
ظِلِّ سُبحان کی اُلفت کے بھرم کی خاطر
سرد کر سکتی تھی بے لوث وفاؤں کے چراغ
توڑ سکتی تھی مئے عِشق سے لبریز ایاغ
اِتنا خاموش ہے، فریاد کناں ہو جیسے
روحِ تقدیس و وفا مرثیہ خواں ہو جیسے
ہم میں کوئی بھی جہاں نور و جہاں گیر نہیں
تیرے ہاتھوں میں مرے ہاتھ ہیں، زنجیر نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۱۹۱۵ء

ایک لڑکا

دیارِ شرق کی آبادیوں کے اونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغوں میں، کبھی کھیتوں کی مینڈوں پر
کبھی جھیلوں کے پانی میں، کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں کم سِنوں کی رنگ رلیوں میں
سحر دم، جھٹپٹے کے وقت، راتوں کے اندھیرے میں
کبھی میلوں میں، ناٹک ٹولیوں میں، اُن کے ڈیرے میں
تعاقب میں کبھی گُم تتلیوں کے سونی راہوں میں
کبھی ننھے پرندوں کی نہفتہ خواب گاہوں میں
برہنہ پانو، جلتی ریت، یخ بستہ ہواؤں میں
کبھی ہم سن حسینوں میں بہت خوش کام و دِل رفتہ
کبھی پیچاں بگولا ساں، کبھی جیوں چشم خوں بستہ
ہوا میں تیرتا، خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا
پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا، مڑتا
مجھے اِک لڑکا آوارہ منش، آزاد، سیلانی
مجھے اِک لڑکا، جیسے تُند چشموں کا رواں پانی
نظر آتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے یہ بلائے جاں
مرا ہمزاد ہے ہر گام پر ہر موڑ پر جولاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِسے ہمراہ پاتا ہوں ، یہ سائے کی طرح میرا
تعاقب کر رہا ہے ، جیسے میں مفرور مُلزم ہوں
یہ مجھ سے پوچھتا ہے ؛ اختر الایمان تم ہی ہو
خدائے عزّ و جل کی نعمتوں کا مُعترف ہوں میں
مجھے اِقرار ہے ، اُس نے زمیں کو ایسے پھیلایا
کہ جیسے بسترِ کمخواب ہو ، دیبا و مخمل ہو
مجھے اِقرار ہے ، یہ خیمۂ افلاک کا سایا
اُسی کی بخششیں ہیں ، اُس نے سورج چاند تاروں کو
فضاؤں میں سنوارا ، اِک حدِ فاصل مُقرر کی
چٹانیں چیر کر دریا نکالے ، خاکِ اسفل سے
مری تخلیق کی ، مجھ کو جہاں کی پاسبانی دی
سمندر موتیوں مونگوں سے ، کانیں لعل و گوہر سے
ہوائیں مست کُن خوشبوؤں سے معمور کر دی ہیں
وہ حاکم قادرِ مُطلق ہے ، یکتا اور دانا ہے
اندھیرے کو اُجالے سے جدا کرتا ہے ، میں خود کو
اگر پہچانتا ہوں ، اُس کی محنت اور سخاوت ہے
اُسی نے خسروی دی ہے لئیموں کو ، مجھے نکبت
اُسی نے یاوہ گویوں کو مرا خازن بنایا ہے
تونگر ہرزہ کاروں کو کیا ، دریوزہ گر مجھ کو
مگر جب جب کسی کے سامنے دامن پسارا ہے
یہ لڑکا پوچھتا ہے ؛ اختر الایمان تم ہی ہو؟
معیشت دوسروں کے ہاتھ میں ہے ، میرے قبضے میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بُجز اِک ذہنِ رسا کچھ بھی نہیں، پھر بھی مگر مجھ کو
خروشِ عمر کے اِتمام تک اِک بوجھ اُٹھانا ہے
عناصر مُنتشر ہو جانے، نبضیں ڈوب جانے تک
نوائے صُبح ہو یا نالۂ شب، کچھ بھی گانا ہے
ظفر مندوں کے آگے رِزق کی تحصیل کی خاطر
کبھی اپنا ہی نغمہ اُن کا کہہ کر مُسکرانا ہے
وہ خامہ سوزی، شب بیداریوں کا جو نتیجہ ہے
اُسے اِک کھوٹے سکّے کی طرح سب کو دکھانا ہے
کبھی جب سوچتا ہوں اپنے بارے میں، تو کہتا ہوں
کہ تو اِک آبلہ ہے، جس کو آخر پھوٹ جانا ہے
غرض گرداں ہوں بادِ صُبح گاہی کی طرح، لیکن
سحر کی آرزو میں دامنِ شب تھامتا ہوں جب
یہ لڑکا پوچھتا ہے: اختر الایمان تم ہی ہو؟
یہ لڑکا پوچھتا ہے جب، تو میں جھلّا کے کہتا ہوں
وہ آشفتہ مزاج، اندوہ پرور، اِضطراب آسا
جسے تم پوچھتے رہتے ہو، کب کا مر چکا ظالِم
اُسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبوں کا
اُسی کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں
میں اِس لڑکے سے کہتا ہوں، وہ شُعلہ مر چکا جس نے
کبھی چاہا تھا، اِک خاشاکِ عالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مُسکراتا ہے، یہ آہستہ سے کہتا ہے
یہ کِذب و اِفترا ہے، جھوٹ ہے، دیکھو میں زندہ ہوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یادیں

لو وہ چاہِ شب سے نکلا پچھلے پہر پیلا مہتاب
ذہن نے کھولی رُکتے رُکتے ماضی کی پارینہ کتاب
یادوں کے بے معنی دفتر، خوابوں کے افسردہ شہاب
سب کے سب خاموش زباں سے کہتے ہیں اے خانہ خراب!
گزری بات صدی یا پل ہو، گزری بات ہے نقش بر آب

یہ روداد ہے اپنے سفر کی، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی اِس آباد خرابے میں

شہرِ تمنّا کے مرکز میں لگا ہُوا ہے میلا سا
کھیل کِھلونوں کا ہر سُو ہے اِک رنگیں گلزار کھِلا
وہ اِک بالک جس کو گھر سے اِک درہم بھی نہیں مِلا
میلے کی سج دھج میں کھو کر باپ کی انگلی چھوڑ گیا
ہوش آیا تو خود کو تنہا پا کے بہُت حیراں ہُوا

بھیڑ میں راہ مِلی نہیں گھر کی اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی، اِس آباد خرابے میں

وہ بالک ہے آج بھی حیراں، میلا جوں کا توں ہے لگا
حیراں ہے بازار میں چُپ چُپ، کیا کیا بِکتا ہے سودا
کہیں شرافت، کہیں نجابت، کہیں محبّت، کہیں وفا
آل اولاد کہیں بِکتی ہے، کہیں بزرگ اور کہیں خدا
ہم نے آخر اُس احمق کو اِسی تذبذب میں چھوڑا

اور نکالی راہ مفر کی، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی، اِس آباد خرابے میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہونٹ تبسّم کے عادی ہیں ، ورنہ رُوح میں زہر آگیں
گُھبے ہوئے ہیں اِتنے نشتر ، جن کی کوئی تعداد نہیں
کتنی بار ہوئی ہے ہم پر تنگ یہ پھیلی ہوئی زمیں
جس پر ناز ہے ہم کو اِتنا ، جھکی ہے اکثر وہی جبیں
کبھی کوئی سِفلہ آتا ہے ، کبھی کوئی ابلہ فرزیں
بیچی لاج بھی اپنے ہُنر کی ، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی ، اِس آباد خرابے میں

کالے کوس غمِ اُلفت کے ، اور میں نانِ شبینہ جُو
کبھی چمن زاروں میں اُلجھا ، اور کبھی گندم کی بُو
نافۂ مُشکِ تتاری بن کر لیے پھری مجھ کو ہر سُو
یہی حیاتِ صاعقہ فِطرت ، بنی تعطّل ، کبھی نمو
کبھی رکیا رم عِشق سے ایسے ، جیسے کوئی وحشی آہو
اور کبھی مرمر کے سحر کی ، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی ، اِس آباد خرابے میں

کبھی غنیمِ جور و ستم کے ہاتھوں کھائی ایسی مات
ارضِ الم میں خوار ہوئے ہم ، بگڑے رہے برسوں حالات
اور کبھی جب دِن نِکلا ، تو بیت گئے یُگ ، ہوئی نہ رات
ہر سُو مہ وش سادہ قاتِل ، لُطف و عنایات کی سوغات
شبنم ایسی ٹھنڈی نِگاہیں ، پھولوں کی مہکار سی بات
مِلی خلش پر زخمِ جگر کی ، اِس آباد خرابے میں
دیکھو ہم نے کیسے بسر کی ، اِس آباد خرابے میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوار ہوئے دمڑی کے پیچھے، اور کبھی بھولی بھر مال
ایسے چھوڑ کے اُٹھے جیسے چھوا تو کر دے گا کنگال
سیانے بن کر بات بگاڑی، ٹھیک پڑی سادہ سی چال
چھانا دشت محبّت کتنا آبلہ پا مجنوں کی مثال
کبھی سکندر، کبھی قلندر، کبھی بگولا، کبھی خیال
سوانگ رچائے اور گزر کی، اس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی، اس آباد خرابے میں

زیست خدا جانے ہے کیا شئے؟ بھوک، تجسّس، رشک فرار
پھول سے بچّے، زہرہ جبینیں، مرد مجسّم باغ وبہار
مرجھا جاتے ہیں اکثر کیوں؟ کون ہے وہ جس نے بیمار
کیا ہے روحِ ارض کو آخر؟ اور یہ زہریلے افکار
کس مٹّی سے اُگتے ہیں سب، جینا کیوں ہے اِک بیگار
اِن باتوں سے قطع نظر کی، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی، اِس آباد خرابے میں

اور کہیں وہ کویل کوکی، رات کے سنّاٹے میں دور
کچّی زمیں پر بکھرا ہوگا آم کا مہکا مہکا بور
بارِ مشقّت کم کرنے کو کھلیانوں میں کام سے چور
کم سن لڑکے گاتے ہوں گے، لو دیکھو وہ صبح کا نور
چاہِ شب سے پھوٹ کے نکلا، میں مغموم، کبھی مسرور
جوں توں یہ منزل بھی سر کی، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی، اِس آباد خرابے میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راہ نوردِ شوق کو رہ میں کیسے کیسے یار ملے
ابرِ بہاراں، عکسِ نگاراں، خالِ رُخِ دلدار ملے
کُچھ بالکل مٹّی کے مادھو، کچھ خنجر کی دھار ملے
کُچھ منجدھار میں، کُچھ ساحل پر، کُچھ دریا کے پار ملے
ہم سب سے ہر حال میں لیکن یوں ہی ہاتھ پسار ملے

صِرف اُن کی خوبی پہ نظر کی، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی، اِس آباد خرابے میں

ساری ہے بے ربط کہانی، دُھندلے دُھندلے ہیں اوراق
کہاں ہیں وہ سب؟ جِن سے تھی پل بھر کی دُوری بھی شاق
کہیں کوئی ناسُور نہیں، گو حائل ہے برسوں کا فِراق
کِرمِ فراموشی نے دیکھو! چاٹ لیے کتنے میثاق
وہ بھی ہم کو رو بیٹھے ہیں، چلو ہوا قرضہ بے باق

کھُلی تو آخر بات اثر کی، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی، اِس آباد خرابے میں

خواب تھے، اِک دن اوجِ زمیں سے کاہکشاں کو چھُو لیں گے
کھیلیں گے گُل رنگ شفق سے، قوسِ قُزح میں جھُولیں گے
بادِ بہاری بن کے چلیں گے، سرسوں بن کر پھُولیں گے
خوشیوں کے رنگیں جھُرمٹ میں رنج و محن سب بھُولیں گے
داغِ گُل و غُنچہ کے بدلے مہکی ہوئی خوشبو لیں گے

سوچ رہا ہوں اِدھر اُدھر کی، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی، اِس آباد خرابے میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سب کے سب خاموش زباں سے کہتے ہیں اے خانہ خراب!
گزری بات صدی یا پل ہو، گزری بات ہے نقش بر آب
مستقبل کی سوچ، اُٹھا یہ ماضی کی پارینہ کتاب
منزل ہے یہ ہوش و خبر کی، اِس آباد خرابے میں
دیکھو! ہم نے کیسے بسر کی اِس آباد خرابے میں

سرِ راہ گزارے

شبِ ماہ تو، ہے، سحر بھی تو
کہ فغاں بھی تو، ہے اثر بھی تو
یہ تری بہار کے دن سہی
یہ ترے نکھار کے دن سہی
نہ مٹا کسی کو سنبھل سنبھل
سرِ راہ یوں نہ بہک کے چل
کہ زمیں پہ رہتے ہیں اور بھی
جنہیں حُسن سے بھی لگاؤ ہے
جنہیں زندگی بھی عزیز ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

MUNTAKHAB NAZMEIN
Rs. 10.50

PRINTED AT :- NORTHERN OFFSET PRESS, Lucknow. Ph. : 0522-240858, 419790